شرح اربعین نووی

[الأُردية –اُردو–Urdu]

تالیف: امام ابوزکریا یحیٰ بن شرف نوویؒ (ت ٦٧٦ھ)

ترجمہ وشرح: شیخ عبدالہادی عبدالخالق مدنی -حفظہ اللہ-

نظر ثانی وتنسیق: شفیق الرّحمن ضیاء اللہ مدنی

ناشر: دفتر تعاون برائے دعوت وارشاد، ربوہ، ریاض

مملکتِ سعودی عرب

شرح الأربعين النووية

[الأُردية –اُردو –Urdu]

تأليف: الإمام أبي زكريا يحي بن شرف النووي [ت٦٧٦هـ]-رحمه الله-

ترجمة وشرح: عبد الهادي عبد الخالق المدني-حفظه الله-

مراجعة وتنسيق:شفيق الرحمن ضياء الله المدني

الناشر:مكتب توعية الجاليات بالربوة، الرياض

المملكة العربية السعودية

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرّحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصّلاۃ والسّلام علی عبادہ الذین اصطفی، امّابعد:

زیر مطالعہ کتاب "شرح اربعین نووی" علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تالیف(الأربعون النوویة) کی اردو ترجمہ وشرح ہے جسے احساء اسلامک سینٹر، ہفوف کے مشہور اردو داعی ومصنّف کتب کثیرہ شیخ عبدالہادی عبدالخالق مدنی۔حفظہ اللہ۔ نے سلیس اورآسان قالَب میں ڈھالا ہے ،اور ہر حدیث سے مستنبط اہم دروس و فوائد کو مختصر اًنکات کی شکل میں قلمبند کیاہے۔

واضح رہے کہ مؤرخین وتذکرہ نگاروں کے مطابق سلسلۂ اربعین (چہل احادیث) کے جمع وترتیب کی ابتدا عبداللہ بن مبارکؒ نے کی تھی، لیکن جو مقبولیت امام نوویؒ کی اربعین کوحاصل ہوئی وہ کسی کو نہیں نصیب ہوئی۔علامہ نوویؒ نے اپنی اس اربعین میں انہی احادیثوں کو جمع کیاہے جن پر دین کی اساس وبنیاد ہیں،اور تقریبا صحیح وحسن احادیث کو ہی جگہ دی ہے،(البتہ بعض احادیث پرکچھ علماء نے جرح وتعدیل کے اصول وقواعد کی روشنی میں کلام کیا ہے)۔

اربعین نووی کی انہی خصوصیات کے پیش نظر متعدد زبانوں میں علماء نے اس کے ترجمے،شروح وحواشی لکھے،اوراردو زبان میں بھی اس کی متعدد تراجم وشروح لکھی گئیں، جن میں سے پروفیسر مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ کی ترجمہ وشرح قابل ذکر ہے۔

لیکن شیخ عبدالہادی عبدالخالق مدنی حفظہ اللہ کی زیر مطالعہ شرح مختصر، جامع اورآسان ہے، اس میں احادیث کی تخریجات اور مفردات حدیث کی لغوی تشریحات کی طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے قارئین وعوام الناس کے مزاج کا مکمل خیال کرکے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

ویسے تو یہ کتاب چند سالوں قبل احساء اسلامک سینٹر سے شائع ہوکر اہل علم کی طرف سے خوب دادِ تحسین حاصل کرچکی ہے، لیکن اس شرح کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر، اوراسے وسیع پیمانے پر عوام الناس تک پہنچانے کی خاطر اسلام ہاؤس ڈاٹ کام کے شعبۂ ترجمہ وتالیف کی طرف سے مزید تنقیح وتصحیح کرکے، اور ہر حدیث کا عنوان قائم کرکے دوبارہ بہترین زیورِ طباعت سے آراستہ کرکے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔

ربّ کریم سے دعا ہے کہ اس کتاب کولوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، اس کے نفع کو عام کرے، والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے مغفرت وسامانِ آخرت بنائے، اور کتاب کے مولّف، مترجم، مراجع، ناشر، اور تمام معاونین کی خدمات کو قبول کرکے ان سب کے حق میں صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم۔

(طالبِ دُعا:abufaisalzia@yahoo.com)

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

پیشِ لفظ

انسان کی زندگی کا سب سے بہترین استعمال یہ ہے کہ اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے میں عمر عزیز کے قیمتی لمحات صرف کئے جائیں۔ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے معتبر تفسیروں کا مطالعہ اور احادیث کے فہم کے لئے ان کی تشریحات کا دیکھنا مفید ہے۔ احادیث رسول کے مجموعے متعدد عناوین سے مرتب کئے گئے ہیں؛ جامع، سنن، مسند، مستدرک، جزء، مستخرج وغیرہ، انھیں عناوین میں ایک عنوان اربعین کا بھی ہے۔ اس عنوان کے تحت چالیس ایسی احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن کو باہم مربوط کرنے والی کوئی قدر مشترک ہوتی ہے؛ مثلاً وہ ساری احادیث کسی ایک موضوع پر ہوں، یا کسی ایک استاد کی ہوں، یا جوامع الکلم میں سے ہوں۔ وغیرہ

امام نووی رحمہ اللہ کی زیر نظر اربعین کی احادیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہ سب ایسی عظیم اور اہم احادیث ہیں جو دین کی اساسیات اور کلی قواعد پر مشتمل ہیں، جنھیں اہل علم نے اسلام کا چوتھائی یا تہائی یا آدھا قرار دیا ہے۔ اس مجموعہ کی اسی اہمیت کی بنا پر اہل علم میں اسے بڑی پذیرائی ملی اور اس کی پچاسوں شرحیں لکھی گئیں۔ اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے علماء اور عوام ہر دو طبقے میں یکساں مقبولیت حاصل ہے، شاید یہ مؤلف کے اخلاص کا نتیجہ اور اسی کی برکت ہے؛ کیونکہ مقبولیت اور بقاء ذکر خیر یقیناً اللہ کی جانب سے ہے جس میں بندوں کی اپنی خواہش و تمنا اور جہد و مشقت کا دخل نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد اللہ بخشندہ

احساء اسلامک سینٹر نے اربعین نووی کی اسی اہمیت کو دیکھتے ہوئے دنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں اس کے ترجمے اور مختصر شرح کی منصوبہ بندی کی، اردو زبان کے ترجمہ و شرح کی ذمہ داری مجھ ناچیز پر ڈالی گئی، چنانچہ میں نے اسے اپنے لئے ایک سعادت سمجھتے ہوئے بے چون وچرا قبول کرلیا، اور بلا تاخیر اللہ تعالی کی مدد اور توفیق سے کام کو شروع کر دیا، مختلف شروحات سے مدد لی البتہ سب سے زیادہ استفادہ استاذ ڈاکٹر

بندر بن نافع بن برکات العبدلی کی کتاب (الدّرر السنية بفوائد الأربعين النووية) سے کیا گیا ہے۔

اس شرح کی بعض خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ہر حدیث کو نئے صفحہ سے شروع کیا گیا ہے، اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جلی حروف میں لکھا گیا ہے تاکہ قاری کے لئے سہولت وآسانی ہو۔

۲۔ حدیث پر کوئی عنوان دینے کے بجائے اس کا نمبر لکھا گیا ہے؛ کیونکہ ہر حدیث کئی مضمون کی جامع ہے، ایسی صورت میں ایک مضمون کے اختیار سے بقیہ موضوعات کا ترک لازم آتا، اور اگر عنوان میں کئی موضوعات درج کردیئے جاتے تو یہ طوالت ایک توگراں بار ہوتی، دوسرے عنوان کے مزاج اختصار کے خلاف ہوتی۔

۳۔ حدیث کے ترجمہ کے بعد فوائد واحکام کا عنوان دے کر نمبر وار نقاط کی شکل میں مسائل ومطالب کو بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ قرآنی آیات کو مصحف مدینہ سے لیا گیا ہے، نیز سورت کا نام اور آیت نمبر کا حوالہ ذکر کردیا گیا ہے۔

۵۔ تشریح کے اندر اختصار کے پیش نظر عموماً احادیث کے ترجموں پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن اگر کبھی کسی فائدہ کی خاطر عربی متن کا ذکر کیا گیا ہے تو اس پر اعراب لگادیا گیا ہے۔

۶۔ چونکہ یہ کتاب عام لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے، نیز اختصار پیش نظر رہا ہے، اس لئے احادیث کی مکمل تخریج اور مفصل حوالوں کے بجائے صرف حدیث کی کتاب کا نام ذکر کردینے پر اکتفا کیا گیا ہے، البتہ احادیث کی صحت کا پورا خیال رکھا گیا ہے، ضعیف اور موضوع احادیث سے کلی احتراز کیا گیا ہے۔

۷۔ خدا، نماز، روزہ وغیرہ جیسے عجمی اصطلاحات سے گریز کرکے ان کے بدلے عربی شرعی اصطلاحات ہی کو باقی رکھا گیا ہے۔ نیز حضرت، حضور وغیرہ جیسے تصوف سے درآمد کلمات سے بھی اجتناب کیا گیا ہے۔

۸۔ عام فہم، سلیس اور سہل ورواں الفاظ وتراکیب کا استعمال کیا گیا ہے۔ بھاری بھرکم، مغلق

و پیچیدہ اور مشکل الفاظ نیز بو جھل ترکیبوں سے پرہیز کیا گیا ہے۔

اللہ کی ذات کریم سے امید ہے کہ یہ شرح ان شاء اللہ موجودہ صورت میں فی الحال اردو زبان میں پائی جانے والی تمام شروحات سے ممتاز متوسط حجم کی سب سے بہترین اور عمدہ شرح ہے، جس میں نہ اس قدر اختصار ہے کہ ضروری مطالب بھی نہ آسکیں، اور نہ اس قدر تطویل ہے کہ اکتاہٹ پیدا ہو جائے۔

ہر مسلمان کو یہ بات معلوم ہے کہ کمال صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہے۔ انسان نہ خطا ونسیان سے محفوظ ہے، نہ عیوب و نقائص سے مبرا، لہٰذا محترم قارئین سے گذارش ہے کہ اس شرح کے اندر جو چیز بھی قابل ملاحظہ محسوس فرمائیں مطلع کر کے مشکور ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے بھی اصل کتاب کی طرح دنیا میں مقبولیت کی نعمت سے سرفراز فرمائے، اور آخرت میں میزان عمل کو وزنی کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین

طالب دعا

عبد الہادی عبد الخالق مدنی

داعی احساء اسلامک سینٹر، سعودی عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ امام نووی رحمہ اللہ

ہر قسم کی حمد وثنا اللہ رب العالمین کے لئے جو آسمانوں اور زمینوں کا سنبھالنے والا، تمام مخلوقات کی تدبیر کرنے والا، قطعی دلائل اور واضح براہین کے ساتھ بندوں کی ہدایت اور دین وشریعت کی وضاحت کے لئے رسولوں کا بھیجنے والا ہے۔ میں اس کی تمام نعمتوں پر اس کی حمد کرتا ہوں اور اس کے مزید فضل وکرم کا طالب ہوں۔ اور شہادت دیتا ہوں کہ واحد قہار اور کریم وغفار اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اور یہ بھی شہادت دیتاہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اس کے حبیب اور خلیل ہیں، مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔ قرآن مجید عطا فرماکے آپ کو عزت بخشی گئی، جو صدیاں گذرنے کے باوجود ایک باقی رہنے والا معجزہ ہے، اور آپ کی احادیث اور سنتیں رشد وہدایت کے متلاشیوں کے لئے مینارۂ نور ہیں۔ آپ کو جامع کلمات اور آسان دین سے سرفراز فرمایا گیا۔ آپ پر اور تمام نبیوں اور رسولوں پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمتیں نازل ہوں، اور ہر ایک کے آل پر اور سارے نیک بندوں پر۔ اَمابعد!

طرق کثیرہ اور روایات متنوعہ کے ذریعہ علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، ابن عمر، ابن عباس، انس بن مالک، ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم کی سندوں سے ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے میری امت کے لئے اس کے دین کے بارے میں چالیس احادیث محفوظ کردی، اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت علماء اور فقہاء کی جماعت میں مبعوث فرمائے گا“۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: ”اسے عالم اور فقیہ بنا کر مبعوث فرمائے گا“۔ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ: ”میں بروز قیامت اس کا سفارشی اور گواہ رہوں گا“۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ”اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہتے ہو داخل ہو جاؤ“۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ”اس کا نام علماء کی جماعت میں لکھا جائے گا اور شہداء کی جماعت میں اس کا حشر ہوگا“۔

مذکورہ حدیث کی بہت سی سندیں ہونے کے باوصف حفاظ حدیث اس کے ضعیف ہونے پر متفق

ہیں، لیکن علماء نے اس باب میں بے شمار تصنیفات کی ہیں۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلی تصنیف عبد اللہ بن مبارک کی ہے، پھر عالم ربانی محمد بن اسلم طوسی کی، پھر حسن بن سفیان النسوی، ابو بکر آجُرّی، ابو بکر محمد بن ابراہیم اصفہانی، دار قطنی، حاکم، ابو نعیم، ابو عبد الرحمن السلمی، ابو سعد المالینی، ابو عثمان الصابونی، محمد بن عبد اللہ الأنصاری، ابو بکر بیہقی، اور ان کے سوا متقدمین ومتاخرین میں سے بے شمار لوگوں کی تصانیف ہیں۔

ان ائمۂ اعلام اور حفاظ اسلام کی اقتدا کرتے ہوئے میں نے بھی چالیس احادیث جمع کرنے کے لئے اللہ تعالی سے استخارہ کیا نیز علماء اس بات پر متفق ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے[1]۔(حاشیہ ضرور دیکھیں)اس کے باوجود میرا اعتماد اس حدیث پر نہیں ہے بلکہ صحیح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر ہے: ”تم میں سے حاضر لوگ غائب لوگوں تک پہنچادیں“۔(متفق علیہ)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہے کہ: ”اللہ تعالی اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری بات سنی، اسے یاد رکھا پھر جس طرح سنا تھا اسے پہنچادیا“۔(اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح قرار دیا ہے)

کچھ علماء نے اصول دین کی چالیس حدیثیں جمع کی ہیں اور بعض نے فروع دین کی، کسی نے جہاد کے موضوع پر جمع کی ہیں اور کسی نے آداب کے، اور کسی نے خطبات جمع کئے ہیں، یہ سب نیک مقاصد ہیں، اللہ ان کی کاوشیں قبول فرمائے۔

---

(1) اللہ تعالی امام نووی پر رحم فرمائے، انھوں نے فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز پر علماء کا اتفاق نقل تو کردیا لیکن خود اس پر مطمئن نہیں ہیں، اسی لئے فرماتے ہیں کہ میرا اعتماد ان ضعیف احادیث پر نہیں بلکہ فلاں فلاں صحیح احادیث پر ہے، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کے جواز میں علماء کا اتفاق ہے ہی نہیں۔ بہت سے اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ کسی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں، خواہ وہ عقیدہ واحکام سے متعلق ہو یا فضائل اعمال سے۔ علامہ ابن حزم، علامہ ابن العربی اور امام خطابی وغیرہ کی یہی رائے ہے، اور یہی رائے سب سے زیادہ درست ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اگر حدیث فضائل اعمال کی ہو تو چند شرطوں کے ساتھ اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سخت ضعیف نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی اصل عام کے تحت داخل ہو۔ (یعنی اس سے ثابت ہونے والا مسئلہ کسی اصل عام سے ثابت ہو)۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرتے ہوئے یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو آپ کی بات نہیں ہے بلکہ احتیاط کا عقیدہ رکھا جائے۔

میں نے ان سب سے زیادہ اہم ایسی چالیس احادیث جمع کرنے کا خیال کیا جو ان تمام موضوعات پر مشتمل ہوں، اور ہر حدیث دین کا ایک عظیم قاعدہ ہو، جس کے بارے میں علماء نے یہ فرمایا ہو کہ اس پر دین کا مدار ہے، یا وہ نصف اسلام یا ایک تہائی اسلام ہے، یا اسی طرح کی کوئی اور بات کہی گئی ہو۔

ہم ان تمام چالیس احادیث میں صحت کی پابندی کریں گے۔ واضح رہے کہ اکثر احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہیں۔ ہم نے ان کی سندیں حذف کردی ہیں تاکہ انھیں یاد کرنے اور ان سے نفع اٹھانے میں باذن اللہ سہولت ہو۔ ہم پھر ایک مستقل باب میں مشکل الفاظ کی شرح کریں گے۔

آخرت کی رغبت رکھنے والے ہر شخص کو ان احایث کا علم حاصل کرنا چاہئے، کیونکہ یہ بہت اہم امور پر مشتمل ہیں۔ جملہ اطاعت کے کاموں پر متنبہ کرنے والی ہیں۔ ذرا سا غور کرنے سے یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے۔

اللہ پر میرا اعتماد ہے۔ میں اسی کو اپنے امور سونپتا ہوں۔ اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ ہر قسم کی تعریف اسی کے لئے زیبا ہے۔ تمام نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں۔ توفیق و عصمت اسی کی طرف سے ہے۔

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

حدیث (۱)

(اصلاحِ نیّت کی ضرورت واہمیت)

عَنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ أَبِيْ حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم - يَقُولُ: «**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوىٰ، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا، أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ**».

رواه إماما المحدثين أبو عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة بن بَرْدِزْبَهْ البخاري، وأبو الحسين مسلم بن الحجَّاج بن مسلم القشيري النيسابوري، في صحيحيهما اللَذين هما أصح الكتب المصنفة .

ترجمہ:

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ: ”تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، چنانچہ جس شخص کی ہجرت (بہ اعتبار نیت) اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت (بہ اعتبار انجام بھی) اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے، اور جس کی ہجرت (بہ اعتبار نیت) دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہے تو اس کی ہجرت (بہ اعتبار انجام) اسی چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے“۔

(اس حدیث کی تخریج امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح کتابوں میں کی ہے، واضح رہے کہ یہ دونوں کتابیں تصنیف کردہ کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ ایک عظیم حدیث ہے۔ علماء اس کی صحت وقبولیت پر متفق ہیں۔ امام بخاری نے اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کیاہے۔ اس حدیث پر مدار دین ہے۔ عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کا قول ہے:"جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے اسی حدیث سے اس کی ابتدا کرے"۔

۲۔ اس حدیث کے شان ورود کے طور پر ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص مدینہ کی ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا، لیکن اس عورت نے ہجرت کے بغیر شادی کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس شخص نے اس عورت سے نکاح کی خاطر ہجرت کی، اسی بنا پر مہاجر ام قیس کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ کسی صحیح سند سے اس کی کوئی اصل ہمیں نہیں ملی۔

۳۔ کوئی عمل نیت کے بغیر نہیں ہوتا، انسان پہلے دل میں نیت کرتا ہے، پھر اس کو عملی شکل دیتاہے۔ اسی لئے بعض سلف کا قول ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نیت کے بغیر عمل کا مکلف کرتا تو یہ تکلیف مالایطاق ہوتی"۔

حدیث کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتاہے کہ اعمال کا صلاح وفساد یا ردو قبول اور ثواب وعقاب نیت کے مطابق ہوتاہے۔

۴۔ ایک مسلمان کو اپنی نیت کی اصلاح ودرستگی کی فکر ہمیشہ دامن گیر ہوتی ہے، وہ اپنے ہر عمل میں ایسی ہی نیت کرتاہے جس سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کی جنت نصیب ہونے والی ہو، سلف صالحین کو نیتوں میں اخلاص کی بڑی فکر ہوتی تھی اور وہ اس پر بہت توجہ دیا کرتے تھے۔

نیت اگر نیک ہو تو مباحات مثلا کھانا پینا، سونا جاگنا اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا وغیرہ بھی باعث اجر وثواب ہو جاتے ہیں۔ آدمی اگر کھاتے اور سوتے ہوئے یہ نیت رکھے کہ اس سے اللہ کی اطاعت پر طاقت حاصل ہو گی اور نشاط لوٹ آئے گا تو اس پر ثواب پائے گا۔

۵۔ **نیت کی دو قسمیں ہیں:** ایک اس بات کی نیت کہ وہ کس کی خاطر یہ عمل کرنے جارہا

ہے ؟کیا محض اللہ کی خاطر ؟ اگر ایسا ہے تو اسی کا نام اخلاص ہے جس کے بغیر اللہ کے نزدیک کوئی عمل قابل قبول نہیں، اگر کوئی عمل اللہ کی خاطر نہ ہو بلکہ غیر اللہ کے لئے ہو، کسی بت یا ولی کے لئے ہو، یا ریا و نمود اور دولت و شہرت وغیرہ کے حصول کے لئے ہو، تو وہ عمل اخلاص سے عاری اور شرکیہ ہو جاتا ہے، نیز نجات کے بجائے ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ نیت کی دوسری قسم وہ ہے جس کے ذریعہ عبادت اور عادت میں نیز خود عبادات میں ایک دوسرے سے تمیز ہوتی ہے؛ مثال کے طور پر غسل کرتے ہوئے بدن کی صفائی کی نیت ہے یا جنابت سے طہارت کی، ایسے ہی عبادت کرتے ہوئے فرض کی نیت ہے یا نفل کی۔ وغیرہ

٦۔ نیت کا مقام دل ہے نہ کہ زبان، اور اللہ عزوجل کو دلوں کا حال خوب معلوم ہے، لہذا نیت کو زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ لفظی نیت شریعت سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ایک بدعت ہے۔

٧۔ کسی مفہوم کو ذہن سے قریب کرنے کے لئے مثالیں بیان کرنا جائز ہے، جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال بیان کرکے یہ وضاحت فرمائی کہ ایک ہی عمل نیت کے مختلف ہونے کی بنا پر کس طرح گناہ یا ثواب بن جاتا ہے۔

٨۔ ہجرت کی تین قسمیں ہیں:

❶ **ہجرت مکانی** اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ملک میں اپنے دینی شعائر آزادانہ طور پر ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کو چھوڑ کر ایسے ملک چلا جائے جہاں اسے اس کی آزادی حاصل ہو۔

❷ **ہجرت عمل** اور وہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے جیسا کہ صحیحین کی ایک مرفوع حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے۔

❸ **ہجرت عامل** اور وہ یہ ہے کہ بدعتی اور فاسق کو چھوڑ دیا جائے، ان سے ترک تعلق کر لیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنی بدعت اور نافرمانی سے باز آجائیں۔ البتہ اگر ان کو چھوڑنے میں مصلحت نہ ہو تو نہ چھوڑا جائے۔

حدیث (۲)

(مراتبِ دین: اسلام، ایمان، احسان)

عَنْ عُمَرَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم - ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْناَ رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لاَ يُرَىٰ عَلَيهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّىٰ جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلاَمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**اَلْإِسْلاَمُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ البَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً**». قَالَ: صَدَقْتَ . فَعجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ، قَالَ: فَأَخْبِرِنِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ، قَالَ: «**أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلاِئكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوِمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ**» قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ فَأَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ، قَالَ: «**أَنْ تَعبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ**» . قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ: «**مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ**» قَالَ: فَأَخْبِرْنِيْ عَنْ أَمَارَاتِهَا، قَالَ: «**أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي البُنْيَانِ**». ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيَّاً ثُمَّ قَالَ: «**يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟**» قُلْتُ: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: «**فَإِنَّهُ جِبْرِيْلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ**». رواه مسلم .

ترجمہ:

عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص خوب سفید کپڑوں اور سخت کالے بالوں میں نمودار ہوا، اس پر سفر کا کوئی نشان نہ تھا اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہ تھا۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب

آکر بیٹھ گیا اور اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ٹیک دیئے، اور اپنی ہتھیلیوں کو اپنی دونوں رانوں پہ رکھا اور سوال کیا: اے محمد! آپ مجھے اسلام کے بارے میں بتلایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور صلاۃ قائم کرو، اور زکاۃ دو، اور رمضان کا صوم رکھو، اور بیت اللہ کا حج کرو اگر وہاں تک پہنچنے کی تم میں استطاعت ہے“۔ اس نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی (جواب کی) تصدیق کرتا ہے۔ اس نے پھر کہا: آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتلایئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر ایمان لاؤ، اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لاؤ“۔ اس نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر کہا: مجھے احسان کے بارے میں بتلایئے؟ آپ نے فرمایا: ”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ یقیناً تمھیں دیکھ رہا ہے“۔ اس نے کہا: مجھے قیامت کے بارے میں خبر دیجیئے؟ آپ نے فرمایا: ”جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا“۔ اس نے کہا: تو اس کی علامات کے بارے میں بتلایئے؟ آپ نے فرمایا: ”[چند علامات یہ ہیں کہ] لونڈی اپنی آقا [مالکن] کو جنے گی، اور تم دیکھو گے کہ ننگے پیر، ننگے بدن، فقیر اور بکریوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارتیں بنا کر ایک دوسرے پر فخر کریں گے“۔ پھر وہ چلا گیا، میں ایک مدت تک منتظر رہا (پھر ایک دن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے عمر! کیا تمھیں معلوم ہے کہ پوچھنے والا کون تھا؟“ میں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ جبریل تھے، تم کو تمھارے دین کی تعلیم دینے آئے تھے“۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث بہت عظیم ہے، "حدیث جبریل" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے اندر اجمالی طور پر پورے دین کا ذکر ہے، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جبریل تم کو تمھارا دین سکھلانے آئے تھے“۔

۲۔ فرشتے کبھی انسانی شکل اختیار کر کے آتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل علیہ السلام بہ کثرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آیا کرتے تھے۔

۳۔ طالب علم کو اپنے استاد کے سامنے بڑے ادب واحترام کے ساتھ بیٹھنا چاہئے۔

۴۔ اس حدیث میں اسلام کے پانچ ارکان کا بیان ہے جس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

۵۔ اس حدیث میں **ایمان اور اسلام کے درمیان فرق** کیا گیا ہے، اسلام اعضاء وجوارح کے ظاہری اعمال کو کہا گیا ہے، جبکہ ایمان میں قلبی اعمال ذکر کئے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جب اسلام وایمان کو اکٹھا ذکر کیا جائے تو دونوں دوالگ الگ مفہوم رکھتے ہیں، لیکن اگر صرف کسی ایک کا ذکر ہو تو اس کے اندر دونوں کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ اسی لئے اہل علم کا قول ہے: "ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن نہیں" کیونکہ ایمان جس کے دل میں رچ بس جائے گا وہ اسلام کے اعمال ضرور انجام دے گا، لیکن جو شخص اسلام کے ظاہری اعمال انجام دے رہا ہے ضروری نہیں کہ اس کا دل ایمان پر پوری طرح مطمئن ہو۔

۶۔ اعمال ایمان میں داخل ہیں، ان کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

۷۔ ایمان کے چھ ارکان ہیں: ❶ اللہ پر ❷ اس کے فرشتوں پر ❸ اس کی کتابوں پر ❹ اس کے رسولوں پر ❺ یوم آخرت پر ❻ تقدیر کی بھلائی اور برائی پر ایمان لانا۔

ایمان باللہ کے ضمن میں اللہ کے وجود، اس کی ربوبیت والوہیت اور اسماء وصفات پر ایمان لانا داخل ہے۔ یعنی وہ سارے جہان کا پالنہار ہے، تمام اگلوں پچھلوں کی عبادت کا تنہا مستحق ہے۔ ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اپنی ہر چھوٹی بڑی مخلوق اور کائنات کے ذرہ ذرہ کا

اسے علم ہے۔ اس کی نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اس کے پیارے پیارے نام اور بلند کمالات ہیں جو اس کے شایان شان ہیں، ہم ان پر ویسے ہی ایمان رکھتے ہیں جیسے اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں خبر دی ہے، نہ اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی مثال، نہ ہی اس کی تاویل کرتے ہیں اور نہ ہی تحریف و تعطیل۔

فرشتوں پر ایمان میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اللہ کی ایک مخلوق ہیں، اس کے معزز بندے ہیں، وہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں کسی بھی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، نور سے پیدا کئے گئے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، کسی اکتاہٹ کے بغیر شب وروز اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں، وہ اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ ان کی گنتی اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ کچھ فرشتوں کے مخصوص کاموں کا ذکر بھی قرآن وحدیث میں آیا ہے، ان پر ایمان بھی فرشتوں پر ایمان کا ایک حصہ ہے۔

کتابوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف رسولوں پر بہت سی کتابیں نازل فرمائیں، وہ سب حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ ان میں کچھ کتابوں کا نام ہمیں معلوم ہے؛ مثلاً توریت وانجیل وزبور، ہم ان پر نام بنام ایمان رکھتے ہیں، بہت سی کتابوں کا نام ہمیں معلوم نہیں، ہم ان پر مجملاً ایمان رکھتے ہیں۔ نیز یہ ایمان بھی رکھتے ہیں کہ قرآن کریم کے ذریعہ تمام سابقہ کتابیں منسوخ ہوگئی ہیں۔ قرآن مجید تمام سابقہ کتابوں پر حاکم اور فیصل ہے۔

رسولوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق ہے۔ ایک کی رسالت کا منکر تمام کی رسالت کا منکر مانا جائے گا۔ سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام اور سب سے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن نبیوں اور رسولوں کا نام ہمیں معلوم ہے ان پر نام بنام ورنہ اجمالی طور پر ایمان رکھنا ہے۔ ان سے متعلق ثابت اور صحیح خبروں پر ایمان لانا ہے، اور اپنی طرف بھیجے گئے رسول کی شریعت کے مطابق عمل کرنا ہے۔

یوم آخرت پر ایمان کے ضمن میں ان تمام باتوں پر ایمان لانا داخل ہے جو موت کے بعد

قبر کے عذاب وآرام، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا، جزا وحساب اور جنت و جہنم وغیرہ سے متعلق قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

تقدیر پر ایمان اس بات کو شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ساری چیزوں کا اجمالی اور تفصیلی علم حاصل ہے، اس نے سب کچھ لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، اس کی مشیئت اور چاہت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، نہ کوئی ذرہ اپنی جگہ سے اڑ سکتا ہے اور نہ کوئی پتّہ ہل سکتا ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء اپنی ذات وصفات اور حرکات ہر اعتبار سے اللہ کی مخلوق ہیں۔

۸۔ **احسان کے لفظی معنیٰ ہیں** کسی کام کو عمدہ اور بہتر انداز میں کرنا۔

اصطلاح میں احسان کی دو قسمیں ہیں: ایک تو اللہ کی عبادت میں احسان جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی بندہ ایسے شوق ورغبت سے اللہ کی عبادت کرے گویا وہ اللہ کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اور اگر اس کو یہ مقام حاصل نہیں تو یہ یقین لازمی طور پر ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ احسان کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ معاملات میں حسن سلوک کا رویہ اپنایا جائے۔ ان کے ساتھ جود وسخا کیا جائے، ان کی مصیبتوں میں کام آیا جائے، ان سے مسکراہٹ اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملا جائے اور دیگر اعمال خیر انجام دیئے جائیں۔

۹۔ قیامت کے قائم ہونے کا متعین وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”جس سے پوچھا گیا وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا“ یعنی وقت قیامت کے بارے میں ساری مخلوق کا علم یکساں ہے، اللہ کے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں، جو شخص قیامت قائم ہونے والے وقت کے جاننے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے، اور جو اس کے دعوے کی تصدیق کرے وہ گمراہ ہے۔ کیونکہ یہ غیب دانی کا دعویٰ ہے، اور غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

۱۰۔ عالم جواب نہ معلوم ہونے پر یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں، اس سے اس کے مقام

ومرتبے میں کوئی کمی نہیں ہوتی، بلکہ یہ اس کی دینداری کی دلیل ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے وقت کا علم نہ ہونے پر صاف صاف کہہ دیا کہ "جس سے پوچھا گیا وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا"۔

۱۱۔اس حدیث میں قیامت کی بعض علامات کا بیان ہے۔

✷ لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی۔یعنی فتوحات ہوں گی اور لونڈیاں بڑھ جائیں گی اور ایسے ہی ان کی اولاد بھی، پھر ماں اپنے آقا کی لونڈی ہوگی اور اس سے ہونے والی اولاد اس کے آقا کے درجے میں ہوگی۔اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ لونڈی سے بچی پیدا ہوگی اور وہ بڑی ہوکر ایسی امیر ہوگی کہ اپنی ماں جیسی لونڈیوں کی مالک ہوگی، گویا اس حدیث میں مال ودولت کی کثرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز بہت سے اہل علم نے اس حدیث کا یہ معنیٰ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے قریب اولاد نافرمان اور خودسر ہوجائے گی، اور اپنے والدین کے ساتھ غلاموں اور لونڈیوں جیسا سلوک کرے گی۔

✷ آپ ننگے پاؤں، ننگے بدن، فقیر لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ عمارتوں میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔یعنی پست قسم کے لوگ سردار بن جائیں گے، اور مال کی اس قدر فراوانی ہوجائے گی کہ اونچی بلڈنگیں اور بلند وبالا عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے میں فخریہ مقابلہ کریں گے۔

۱۲۔لوگوں کی ضرورت کے مطابق عالم سے کوئی سوال کرنا بھی تعلیم کا ایک طریقہ ہے؛ کیونکہ اس واقعہ میں جبریل علیہ السلام نے صرف سوالات کئے تھے پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ وہ تم کو تعلیم دینے کے لئے آئے تھے۔

حدیث (۳)

(ارکانِ اسلام)

عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - قَالَ: سَمِعْتُ النبي - صلى الله عليه وسلم - يَقُوْلُ: «**بُنِيَ الْإِسْلامُ عَلَىٰ خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ البَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: ❶ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ ❷ صلاۃ قائم کرنا ❸ زکاۃ ادا کرنا ❹ کعبہ کا حج کرنا ❺ رمضان کا صوم رکھنا“۔ (اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ اس حدیث میں اسلام کے پانچوں ارکان کا بیان ہے۔

۲۔ اسلام کا پہلا رکن شہادتین ہے، جس کا مطلب ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا رکن قرار دیا کیونکہ اس کلمہ کے اقرار کے بغیر جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات ناممکن ہے۔ کوئی عبادت شہادتین میں مذکورہ دونوں شرطوں کے بغیر مقبول نہیں، ایک اخلاص جو لا الہ الا اللہ کا معنٰی ہے اور دوسرا اتباع سنت جو محمد رسول اللہ کا تقاضا ہے۔

۳۔ **لا الہ الا اللہ کی شہادت کا مطلب** یہ ہے کہ ہر طرح کی عبادت وپرستش کا یکا وتنہا مستحق اللہ کی ذات ہے، وہی سچا اور برحق معبود ہے، اس کے سوا جن کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ طاغوت اور جھوٹے معبود ہیں، اور ان کی پرستش کرنے والے باطل پرست ہیں۔

۴۔ **محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کا تقاضا** یہ ہے کہ آپ کے حکموں کی تعمیل کی جائے، آپ کی خبروں کی تصدیق کی جائے، آپ کی روکی ہوئی چیزوں سے اجتناب کیا جائے، اور اللہ کی عبادت کا وہی طریقہ اپنایا جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ہے۔

۵۔ **صلاۃ قائم کرنے کا مطلب** یہ ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انجام دیا جائے، اس کے شروط وارکان اور واجبات وسنن کا لحاظ کیا جائے، اسے خشوع وخضوع کے ساتھ دل لگا کر ادا کیا جائے۔ صلاۃ کی پابندی کرنے والے کے لئے بڑی خوشخبریاں ہیں۔ "بروز قیامت سب سے پہلے صلاۃ ہی کا حساب ہو گا، جس کی صلاۃ درست ہوئی اس کے سارے اعمال درست ہوں گے، اور جس کی صلاۃ خراب رہی اس کے سارے اعمال خراب ہوں گے"۔ (صحیح الجامع)

۶۔ **زکاۃ کی ادائیگی کا مفہوم** یہ ہے کہ اپنے مال میں غریبوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے، اور زکاۃ کو ان کے مستحقین تک پہنچایا جائے۔

زکاۃ کی ادائیگی سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ حرص وطمع اور بخل جیسے برے اوصاف سے نفس کو پاکی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف "زکاۃ نہ ادا کرنے سے دنیا میں قحط سالی پڑتی ہے"۔ (مسند احمد) اور آخرت میں "اس مال کی تختیاں بنا کر اور اسے آگ میں تپا کر اس سے زکاۃ نہ دینے والے کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا، نیز یہی مال گنجے سانپ کی شکل میں آکر اپنے مالک کے گلے کا طوق بن جائے گا، اور اسے اپنے جبڑوں سے پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں"۔ (بخاری)

۷۔ **حج کرنے کا مطلب یہ ہے** کہ اللہ کی عبادت کی غرض سے حج کے مہینوں میں مکہ مکرمہ کا رخ کیا جائے، اور طواف کعبہ، صفا ومروہ کے درمیان سعی، وقوف عرفہ، مزدلفہ ومنیٰ میں شب گذاری، رمی جمرات اور حلق وتقصیر وغیرہ جیسی مخصوص عبادات بجالائی جائیں۔

ہر تندرست اور مستطیع مسلمان پر زندگی میں ایک بار حج فرض ہے۔ حج مقبول ایک عظیم سعادت ہے جس کا بدلہ جنت ہی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: "جس نے اس گھر کا حج کیا، نہ کوئی بیہودہ گوئی کی اور نہ کوئی فسق کا کام کیا، تو وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی

طرح پاک وصاف ہو کر لوٹے گا جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے"۔(بخاری و مسلم)

۸۔ **صوم رمضان سے مراد یہ ہے** کہ رمضان کے مہینے میں اللہ کی عبادت کی غرض سے طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک ہر دن کھانے پینے اور جماع بلکہ صوم کو ختم کر دینے والی ہر چیز سے دور رہا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جس نے ایمان اور حصول ثواب کی نیت سے رمضان کا صوم رکھا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں"۔(متفق علیہ)

۹۔ اسلام کے مذکورہ ارکان میں سے کسی رکن کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرنے والا کافر ہو جائے گا، البتہ سستی اور کاہلی سے چھوڑنے والا سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہو گا، لیکن ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہو گا، سوائے صلاۃ کے کہ محققین اہل علم کی ایک معتبر تعداد نے سستی کاہلی سے بھی تارک صلاۃ کو خارج از ملت قرار دیا ہے۔

حدیث (۴)

(انسانی تخلیق کے مراحل اور انجام آخرت)

عَنْ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم - وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ: «**إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَعَمَلِهِ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيْدٌ. فَوَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَايَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک حدیث بیان فرمائی، آپ سچے بھی ہیں اور آپ کی سچائی تسلیم بھی کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”تم میں سے ہر ایک کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں جمع رکھا جاتا ہے، پھر اتنے ہی دن جمے ہوئے خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے، پھر اس کی طرف فرشتے کو بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے، اسے چار باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے؛ رزق، مدت عمر، عمل اور نیک بخت ہے یا بد بخت۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تم میں سے کوئی جنت والوں کا عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت اور اس کے بیچ صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، تو اس کی کتاب (تقدیر) آگے

بڑھ جاتی ہے اور وہ جہنم والوں کا عمل کرنے لگتا ہے پھر جہنم میں چلا جاتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی جہنم والوں کا عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جہنم اور اس کے بیچ صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے، پھر اس کی کتاب (تقدیر) آگے بڑھ جاتی ہے اور وہ جنت والوں کا عمل کرنے لگتا ہے، پھر جنت میں داخل ہو جاتا ہے"۔ (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد و احکام:

۱۔ **ماں کے پیٹ میں بچہ کی تخلیق کئی مراحل** سے گذرتی ہے۔ چالیس دن نطفہ کی شکل میں، پھر چالیس دن خون کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر چالیس دن گوشت کی بوٹی کی شکل میں۔ ایک سو بیس دن مکمل ہونے کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

۲۔ بچہ کی تخلیق کا ان مراحل سے گذرنا اللہ عزوجل کی حکمت سے ہے۔

۳۔ پیٹ کے بچہ کی تقدیر لکھنے کے لئے اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ مقرر ہے۔

۴۔ پیٹ کے بچہ پر ایک سو بیس دن گذر جانے کے بعد اسقاط جائز نہیں؛ کیونکہ اتنے دنوں کے بعد اس کے جسم میں جان ڈال دی جاتی ہے، اور کسی جان کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔ البتہ اس سے پہلے اسقاط کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، مگر زیادہ راجح یہی ہے کہ وہ بھی جائز نہیں، ہاں! اگر اس کے اسقاط میں کوئی شرعی مصلحت ہے یا اسقاط نہ کرنے میں ماں پر ضرر ہے تو حرج نہیں۔

۵۔ روح پھونکے جانے کے بعد جو بچہ پیٹ سے گر جائے اس کو غسل دیا جائے گا، اس کی تکفین و تدفین کی جائے گی، اور اس پر صلاۃ جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ روح پھونکے جانے سے پہلے اسقاط کا یہ حکم نہیں ہے۔

۶۔ انسان کی تقدیر اس کی ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دی جاتی ہے، اسے تقدیر عمری کہتے ہیں۔ اس سے قبل لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے، اسے تقدیر ازلی کہتے ہیں۔ ہر سال شب قدر میں

بھی تقدیر لکھی جاتی ہے، اسے تقدیر حولی کہتے ہیں۔

۷۔ **تقدیر پر ایمان کا تقاضا یہ ہے** کہ انسان اللہ کے تقسیم کردہ رزق پر راضی رہے؛ کیونکہ وہی اس کی قسمت میں ہے، اور اس رزق کی تکمیل کے بغیر اس کی موت نہیں ہو سکتی۔ آدمی دوسروں کی دولت پر نظر نہ رکھے، نہ ہی بلا ضرورت کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے، بلکہ روزی کمانے کے اسباب وذرائع کو اختیار کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو پاکدامنی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پاکدامن رکھتا ہے، اور جو بے نیازی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دیتا ہے“۔ (متفق علیہ)

۸۔ ہر انسان کی موت اسی وقت سے مقدر ہے جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا کہ وہ کس ساعت اور کس ملک میں مرے گا۔

۹۔ ہر انسان کا عمل اور انجام دونوں مقدر ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی سوال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”عمل کرو؛ کیونکہ ہر شخص کے لئے وہی راستہ آسان ہو گا جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے، اگر نیک بخت ہے تو نیک بختوں کا عمل اس کے لئے آسان ہو گا، اور اگر بد بخت ہے تو بد بختوں کا عمل“۔ (متفق علیہ)

اگر آپ اپنے دل میں اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کی رغبت پا رہے ہیں تو یہ خوش آئند بات ہے، اور اگر اس کے بر خلاف کوئی اور حالت ہے تو جلد از جلد اپنے دل کا علاج کریں۔

۱۰۔ قسم کا مطالبہ کئے بغیر قسم کھانا جائز ہے۔ حدیث میں جس بات پر قسم کھائی گئی ہے وہ ایک غیبی چیز تھی، اس لئے قسم کے ذریعہ اس کی تاکید کی ضرورت تھی۔

۱۱۔ حدیث سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات انسان نیک عمل کرنے کے باوجود موت سے پہلے توفیق سے محروم ہو کر جہنم رسید ہو جاتا ہے لیکن صحیحین ہی کی ایک دوسری حدیث سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس میں ہے کہ ”انسان لوگوں کے دیکھنے میں جنتیوں کا سا عمل

کر تا رہتا ہے حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور آدمی لوگوں کے دیکھنے میں جہنمیوں کا سا عمل کر تا رہتا ہے حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے"۔(لوگوں کے دیکھنے میں) کہنے سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ باطن کچھ اور تھا، اور اسی باطنی خفیہ خرابی کی بنا پر اس کا یہ برا انجام ہوا۔

۱۲۔اس حدیث سے ایک مسلمان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ سوء خاتمہ سے ہمیشہ ڈرتا رہے، سدا اپنے دل کو پاک وصاف رکھے ،پوشیدہ گناہوں سے دور رہے کہ ان کا نتیجہ بہت بھیانک ہے۔ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دین پر ثابت قدمی کی دعا کرتا رہے: «يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلَىٰ دِيْنِكَ» (صحیح الجامع)"اے دلوں کے پھیرنے والے اپنے دین پر ہمارے دلوں کو جمادے"۔

۱۳۔ جس رب نے ایک انسان کو مختلف مراحل سے گذارتے ہوئے دنیوی زندگی عطا فرمائی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا اس کے لئے بہت آسان ہے؛لہذا انسان کو اس رب کے سامنے حاضری کا وقت کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے۔

۱۴۔اس حدیث میں راہِ حق سے منحرف افراد کے لئے ترغیب موجود ہے کہ وہ اپنی روش کی جلد اصلاح کرلیں، اللہ کی طرف رجوع ہو جائیں، اللہ کا خوف کریں، گناہوں سے باز آئیں، گناہوں کی کثرت کے باوجود اللہ سے امید نہ توڑیں، مایوس نہ ہوں، بلکہ اپنے رب سے اچھا گمان رکھیں؛کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس کے گمان کے مطابق ہی معاملہ کرتا ہے۔

حدیث (۵)

(بدعت کی شناعت وقباحت)

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ أُمِّ عَبْدِ اللهِ عَائِشَةَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهَا - قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ**». رواه البخاري ومسلم،

وفي رواية لمسلم: «**مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ**».

ترجمہ:

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود (ناقابل قبول) ہے“۔

اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے، اور مسلم میں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے“۔

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث اسلام کا ایک عظیم اصول ہے۔ یہ ہر عمل کے ظاہر کو پرکھنے کے لئے ایک پیمانہ ہے، جیسا کہ حدیث «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» ہر عمل کے باطن کو پرکھنے کا پیمانہ ہے۔ جس طرح ہر اس عمل کا کوئی ثواب نہیں جس سے اللہ کی رضا مقصود نہیں، اسی طرح ہر وہ عمل کرنے والے کے منہ پر مار دیا جائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق نہیں۔

۲۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کسی بھی عمل کی قبولیت کے لئے اتباع رسول شرط ہے۔

۳۔ یہ حدیث بدعتوں کے حرام ہونے کی دلیل ہے کیونکہ بدعت دین میں ایجاد کردہ ہر اس عمل کا نام ہے جس کی شریعت میں کوئی اساس نہ ہو۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»۔ ''ہر بدعت گمراہی ہے''۔

۴۔ یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دین اسلام مکمل ہو چکا ہے اور اب اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۵۔ ہر بدعت مردود ہے لہٰذا **بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم باطل** ہے۔ جن لوگوں نے بدعت کی پانچ قسمیں ذکر کی ہیں: واجب ومندوب، مباح، حرام اور مکروہ۔ ان لوگوں کی تقسیم بھی غلط ہے۔

٦۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لئے نہایت شفیق ومہربان اور ہمدرد وخیر خواہ تھے، اسی بنا پر آپ نے اپنی امت کو ہر اس چیز سے آگاہ اور خبردار کر دیا جو اعمال کی بربادی اور عدم قبولیت کا سبب ہو سکتے ہیں۔

[بدعت سے متعلق مزید تفصیل جاننے کے لئے ہماری کتاب (بدعت کی پہچان اور اس کی تباہ کاریاں) کا مطالعہ مفید ہو گا۔]

حدیث (٦)

(حلال و حرام اور اصلاحِ قلب)

عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ النُّعْمَانِ بْنِ بِشِيْرٍ - رضي الله عنهما - قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - يَقُوْلُ: «إِنَّ الْحَلالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ؛ كَالرَّاعِي يَرْعَىٰ حَوْلَ الحِمَىٰ يُوشِكُ أَنْ يَقَعَ فِيْهِ. أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى. أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ». رواه البخاري ومسلم .

ترجمہ:

ابو عبد اللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”یقیناً حلال واضح ہے اور بے شک حرام واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ شبہہ کی چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے، چنانچہ جو شخص شبہہ کی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنے آبرو کو بچالیا، اور جو شبہہ والی چیزوں میں پڑ جائے گا وہ حرام میں پڑ جائے گا، جیسے ایک چرواہا جو کسی محفوظ چراگاہ کے ارد گرد چرا رہا ہو بہت ممکن ہے کہ چراگاہ کے اندر اس کا ریوڑ چلا جائے، خبردار! ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے (جس کے اندر دوسروں کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے)۔ خبردار! اللہ کی محفوظ چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ سن لو! بے شک جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جائے۔ جان لو کہ وہ دل ہے“۔ (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ حلال و حرام کا معاملہ بالکل واضح اور عیاں ہے کسی سے پوشیدہ نہیں، لہذا جہاں حرام سے مکمل دوری اختیار کرنا ایک مسلمان کا فریضہ ہے وہیں حلال سے لطف اندوز ہونے کے لئے اسے کوئی رکاوٹ نہیں، کسی کے لئے یہ جائز اور درست نہیں کہ وہ اللہ کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَلَا تَقُولُواْ لِمَا تَصِفُ أَلۡسِنَتُكُمُ ٱلۡكَذِبَ هَٰذَا حَلَٰلٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُواْ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ ﴾ [النحل:۱۱۶] "کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو"۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، خرید و فرخت، لین دین اور دیگر معاملات میں ایسے مشتبہ امور کے ذریعہ آزماتا ہے جن کا حکم اکثر لوگوں کی نظر سے مخفی ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی ایک حکمت ہے تاکہ ایک سچے مومن اور ایک خواہش پرست میں تمیز ہو جائے۔

۳۔ اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ شبہہ کی چیزوں کا حکم اکثر لوگ نہیں جانتے، جس کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ کچھ لوگ یعنی علم میں رسوخ رکھنے والے اس کا حکم جانتے ہیں، لہذا کوئی چیز مشتبہ صرف اسی شخص کے لئے ہے جس کے علم کی رسائی اس کے حکم تک نہیں، ورنہ درحقیقت کوئی چیز مشتبہ نہیں۔

۴۔ ایک مسلمان ہمیشہ اپنی عزت و آبرو اور نیک نامی کی حفاظت کرتا ہے، اسے داغدار کرنے والی تمام چیزوں سے پرہیز کرتا ہے، اسی بناپر وہ ایسی چیزوں سے بھی بچتا ہے جن کے حلال یا حرام ہونے میں شبہ ہو، تاکہ دین کوتاہی سے اور آبرو لوگوں کی عیب گیری سے محفوظ رہے، کیونکہ شبہات کا مرتکب زبان خلق سے محفوظ نہیں رہ سکتا، اور اگر زبان سے محفوظ رہ گیا تو کم از کم بدگمانیوں سے نہیں بچ سکتا۔

۵۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انداز نہایت عمدہ اور بہترین تھا۔ آپ نے چراگاہ، مویشی اور چرواہے کی مثال دے کر معنی کو ذہنوں سے قریب کر دیا۔

٦۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حرام کردہ چیزوں کی حدیں متعین کردی ہیں تاکہ مسلمان ان کے قریب نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا﴾[البقرة:١٨٧] ''یہ اللہ تعالی کی حدود ہیں تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ''۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «اجْتَنبوا السَّبْعَ الْمُوبقَات»۔ ''سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے اجتناب کرو''، یعنی تم ایک جانَب رَہو اور یہ چیزیں دوَسرَی جانب رہیں۔

٧۔ اعمال کی نیکی وبدی کا دارو مدار دل کے اصلاح وفساد پر ہے اسی لئے اللہ کے یہاں بروز قیامت حساب وکتاب دل کی نیتوں کے مطابق ہوگا۔ دنیا میں بھی ظاہری اصلاح باطنی اصلاح کی دلیل مانی جائے گی اور ظاہری فساد باطنی فساد کی دلیل، اسی لئے فرمایا کہ دل کے سدھرنے سے پورا جسم سدھر جاتا ہے، اور دل کے بگڑنے سے پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔

٨۔ ایک مسلمان اپنے جسم کی صحت وتندرستی سے کہیں زیادہ اپنے دل کی تندرستی پر دھیان دیتا ہے۔ بغض وکینہ، نفرت وحسد، خیانت وفریب، شک ونفاق، کفر وتکبّر اور غفلت وغیرہ جیسی معنوی بیماریوں سے دل کو پاک وصاف کرتا ہے۔ ذکر الٰہی اور کثرت استغفار سے اس کی سختی کو نرمی سے بدلتا ہے۔

حدیث (۷)

(دین نصیحت وخیر خواہی کا نام ہے)

عَنْ أَبِيْ رُقَيَّةَ تَمِيْمِ بْنِ أَوْسٍ الدَّارِيِّ - رضي الله عنه - أَنَّ النَّبِيَّ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ**» قُلْنَا: لِمَنْ يَارَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ: **لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ**». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابورقیہ تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دین خیر خواہی کا نام ہے“۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کس کی خیر خواہی کا؟ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حاکموں کی، اور مسلمانوں کے عوام کی“۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ بڑی عظیم الشان حدیث ہے، اس میں پورے دین کو نصیحت وخیر خواہی میں محصور کر دیا گیا ہے، کیونکہ جب تک مسلمانوں میں یہ چیز باقی رہے گی ان کا دین مضبوط و مستحکم رہے گا، جب یہ چیز ان میں کمزور پڑ جائے گی تو وہ خود بھی زندگی کے تمام میدانوں میں زوال وانحطاط کا شکار اور ضعیف وکمزور ہوتے چلے جائیں گے۔

۲۔ نصیحت لغت میں خلوص کے معنیٰ میں آتا ہے۔ جب شہد کو موم سے الگ کر کے خالص شہد بناتے ہیں تو کہتے ہیں: نصحتُ العسلَ۔ اور ایسے ہی رفوگری کے بھی معنیٰ میں آتا ہے، جب چاکدامنی رفو کرتے ہیں تو کہتے ہیں: نصحتُ الثوبَ۔ نصیحت نہایت جامع لفظ ہے، اردو میں اس کے لئے خیر خواہی کا لفظ کسی قدر مناسب ہے۔

۳۔ اللہ کی خیر خواہی میں مندرجہ ذیل باتیں شامل ہوں گی:

۱) اللہ پر ایمان اور اس کی توحید کا صحیح اعتقاد، یعنی اللہ اپنی ربوبیت والوہیت اور اسماء وصفات میں یکتا اور بے مثال ہے۔

۲) اللہ کی شکر گذاری، اس کے حکموں کی بجا آوری، اور اس کے ممنوعات سے اجتناب۔ جہاں حکم ہے وہاں سے بندہ غائب نہ ہو، اور جہاں ممانعت ہے وہاں بندہ نظر نہ آئے۔ یہی اللہ سے محبت کی علامت ہے۔

۳) اللہ کی عبادت وبندگی میں اخلاص نیت، اور اس کی رضاو خوشنودی کی تلاش، نیز ہر قسم کے شرک سے دوری۔

۴) ہر قسم کی عبادت دعا، مدد طلبی و فریاد رسی، توکل وانابت، خوف وامید، نذر وقسم وغیرہ خالص اللہ کے لئے کرنا۔

۵) اللہ کی طرف لوگوں کو بلانا، اور اس راہ میں آنے والی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے گوارہ کرنا، اور اس پر صبر سے کام لینا۔

۶) اللہ کے واسطے محبت کرنا، اور اللہ کے واسطے نفرت رکھنا۔

۴۔ کتاب اللہ کی خیر خواہی میں حسب ذیل امور داخل ہیں:

۱) اس بات پر ایمان کہ وہ اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل فرمایا ہے۔ اس کے حروف ومعانی سب اللہ کا کلام ہیں، اس کے سارے احکام مبنی بر عدل اور ساری خبریں مبنی بر صدق ہیں۔

۲) اس کی تلاوت، حفظ، فہم وتدبر اور اس پر عمل کا اہتمام، نیز قرآنی علوم کی نشر واشاعت۔

۳) قرآن حفظ کرنے والوں کی مدد، اور ان کی حوصلہ افزائی۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی مندرجہ ذیل باتوں کو شامل ہے:

۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، صدق وامانت کے پیکر تھے۔

۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی تعمیل، آپ کی خبروں کی تصدیق، آپ کی ممنوعات سے اجتناب اور آپ کی شریعت کے مطابق ہی اللہ کی عبادت کرنا۔

۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی جان ومال اور اہل وعیال کی محبت سے مقدم رکھنا، لیکن محبت کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے کہ آپ کے بارے میں غلو سے کام لیا جائے، اور آپ کو آپ کے مقام سے اٹھا کر اللہ کا مقام ومرتبہ دے دیا جائے، کیونکہ اس سے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔

۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی سنتوں کا اور آپ کے دین کا دفاع کرنا۔ آپ کو گالی دینے والا اور آپ کو عیب لگانے والا کافر ہے۔ آپ کے دین کو برا کہنے والا کافر ہے۔ آپ کا دین مکمل ہے۔ آپ کی سنت کافی ہے۔ سنتوں کو چھوڑ کر بدعتوں کو اختیار کرنا راہ حق سے انحراف ہے۔

۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں اور سنتوں کو عام کرنا۔

۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب کی محبت اور تعظیم وتوقیر کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کے حاکموں کی خیر خواہی میں درج ذیل امور داخل ہیں:

۱) ان سے حق بیان کر کے ان کو نصیحت کرنا۔

۲) معروف اور نیک کاموں میں ان کی اطاعت کرنا، ان کی عیب پوشی کرنا، ان کی مدد کرنا، ان کا دفاع کرنا، اور ان کے لئے دعا کرنا۔

۳) اچھے طریقے سے انھیں ظلم وزیادتی سے محفوظ رکھنا۔

مسلمانوں کے حاکموں کی اطاعت فرض ہے، البتہ جب وہ کسی معصیت کا حکم دیں تو اس وقت ان کی بات نہیں مانی جائے گی؛ کیونکہ اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے، اور خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

۴) لوگوں کے سامنے ان کے عیوب اور ان کے گناہوں کو بیان کرنے سے بچنا؛ کیونکہ اس میں فتنہ ہے، اور ان کی اطاعت سے نکلنے کا ذریعہ، نیز ان کی مذمت وغیبت میں لوگوں کے پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ابن عمر وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حجاج جیسے ظالم اور خوں ریز حاکم کے پیچھے صلاۃ ادا کرتے تھے۔ منبروں پر عوام کے سامنے، یا تقریروں میں، یا دیگر علمی مجلسوں، یا تفریحی محفلوں میں مسلمان حاکموں کے عیوب کا تذکرہ دینی کمی اور عقلی حماقت کا نتیجہ ہے۔

۷۔ عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں مندرجہ ذیل امور داخل ہیں:

۱) آدمی اپنے مومن بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔
۲) مشورہ طلب کرنے پر ایسا خیر خواہانہ مشورہ دے گویا کہ وہ خود اس کا اپنا معاملہ ہے۔
۳) ملاقات ہو تو سلام کرے اور سلام کا جواب دے، چھینکے اور الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے، دعوت دے تو قبول کرے، مریض ہونے پر عیادت کرے، وفات ہونے پر جنازہ میں شریک ہو۔
۴) ہدیہ و تحفہ لیا دیا کرے، مقروض ہو اور قرض چکانے کی طاقت نہ ہو تو اس کا قرض چکادے، خود اپنا قرضہ ہو تو آسانی دے، مہلت دے یا معاف کر دے۔ وقت ضرورت اس کی مدد سے منہ نہ موڑے۔ لوگوں سے اس کی سفارش کر دیا کرے۔
۵) اس کی مصیبت پر خوش نہ ہو بلکہ اس کے دکھ درد میں کام آئے، اس کا مذاق نہ اڑائے، اسے حقیر نہ جانے، کسی گناہ پر اسے عار نہ دلائے۔ نہ اس کی غیبت کرے اور نہ سنے، بلکہ اگر کوئی غیبت کرتا ہو تو دفاع کرے۔
۶) ایک مسلمان کے بیع پر بیع نہ کرے اور نہ ہی اس کے پیغام نکاح پر پیغام دے۔
۷) گالی نہ دے، تہمت نہ لگائے، عیب جوئی نہ کرے بلکہ عیب پوشی سے کام لے، چغلخوری سے دور رہے، لگائی بجھائی نہ کرے۔
۸) نرمی اور خوش خلقی کا برتاؤ کرے، ظلم و ستم سے پرہیز کرے اور اذیت رسانی سے بچے۔
۹) جاہلوں کو تعلیم دے اور غافلوں کو وعظ و نصیحت کرے۔

۸۔ ایک مسلمان ساری مخلوق کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوتا ہے۔ اسے صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ غیر مسلموں کی بھی خیر خواہی مقصود ہوتی ہے۔ غیر مسلموں کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انھیں جہنم کی آگ اور شرک وبت پرستی سے نجات دلائی جائے۔ یہ نکتہ چونکہ دیگر نکتوں میں شامل ہے اسی لئے اسے حدیث میں خصوصی طور پر ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

(مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب "اسلامی حقوق وآداب" کا مطالعہ مفید ہوگا)۔

حدیث (۸)

(مسلمان کے جان ومال کا تحفّظ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا - أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّىٰ يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَيُقِيْمُوْا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهَمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ تَعَالَىٰ**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مجھے لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور صلاۃ قائم کریں، اور زکاۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان ومال کو محفوظ کرلیں گے، سوائے اسلام کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے“۔

(اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

ا۔ یہ حدیث عام ہے لیکن قرآن مجید کی ایک آیت اسے خاص کردیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَـٰتِلُوا۟ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَلَا بِٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ ٱلْحَقِّ مِنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ حَتَّىٰ يُعْطُوا۟ ٱلْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَـٰغِرُونَ ﴾ [التوبۃ:۲۹]

"ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں"۔

لوگوں سے جنگ اس وقت تک فرض ہے حتی کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں یا جزیہ ادا کریں۔

۲۔ شہادتین کا فقط اقرار کر لینے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر وہ اسلامی شریعت پر کاربند ہوتا ہے تو اس کے بھی وہی حقوق و فرائض ہیں جو دیگر مسلمانوں کے ہیں، لیکن اگر وہ کسی رکن کو ترک کر دیتا ہے اور ایسے لوگ اپنا ایک پر شوکت گروہ بنالیتے ہیں تو ان سے جنگ کی جائے گی۔

۳۔ صلاۃ کا قائم کرنا اور زکاۃ کی ادائیگی اسلام کا حق ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ سے جنگ کے وقت فرمایا تھا: "اللہ کی قسم! میں ان سے ضرور جنگ کروں گا جو صلاۃ اور زکاۃ کے درمیان فرق کرتے ہیں کیونکہ زکاۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ ایک رسی۔ یا پٹھیا۔ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے مجھ کو نہیں دیں گے تو اس کے روکنے پر میں ان سے جنگ کروں گا"۔ (متفق علیہ)

۴۔ اسلام قبول کر لینے سے جان ومال محفوظ ہو جاتا ہے، سوائے ان حالات کے جس میں اسلام خود اپنے کسی حق کا مطالبہ کرے؛ مثلاً کسی کو ناحق قتل کر دینے، یا شادی شدہ ہو کر زنا کر لینے، یا اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جانے سے جان کی حفاظت ختم ہو جائے گی۔ (مزید دیکھئے حدیث (۱۴) کے فوائد واحکام)

۵۔ قیامت کے دن ہر بندے کو اللہ کے سامنے اپنے عمل کا حساب دینا ہوگا، اگر نیکی کر رکھی ہے تو اس کا انجام بخیر ہوگا، اور اگر برائی کر رکھی ہے تو اسی لحاظ سے اس کا نتیجہ سامنے آئے گا۔

٦۔ جو شخص ظاہری طور پر اسلام پر قائم ہو اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جائے گا، اس کے دل اور اندرونی کیفیت سے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کی جائے گی، جب تک کہ کسی ظاہری عمل سے اس کے خلاف نہ معلوم ہو جائے۔ اگر وہ منافق ہے تو اس کا حساب بروز قیامت اللہ کے ذمہ ہے۔

حدیث (۹)

(اطاعت رسول ﷺ کی فرضیت اور کثرتِ سوال کی ممانعت)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ - رَضِيَ الله تَعَالَىٰ عَنْهُ - قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - يَقُوْلُ: «**مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ؛ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلَىٰ أَنْبِيَائِهِمْ**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

ابوہریرہ عبد الرحمن بن صخر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”میں جس چیز سے منع کر دوں اس سے اجتناب کرو، اور جس چیز کا حکم دوں اس پر اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو، کیونکہ تم سے پہلے کی امتوں کو ان کے بہ کثرت سوالات اور اپنے نبیوں سے اختلاف نے تباہ کر ڈالا“۔ (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منع کردہ چیزوں سے ہر حال میں بچنا ضروری ہے کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جن چیزوں سے روکا ہے اس میں بندوں ہی کی مصلحت ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے۔

۲۔ ہر روکی ہوئی چیز سے اجتناب فرض ہے؛ کیونکہ ارشاد ہے: ”جس سے میں منع کر دوں اس سے رک جاؤ“۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی کا معاملہ امر سے سخت ہے؛ کیونکہ نہی میں کسی چیز کے ارتکاب کی رخصت نہیں دی گئی ہے، جبکہ امر میں استطاعت کی قید لگادی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ممنوعہ چیزوں کے اسباب ومقدمات تک سے بچنا ضروری قرار دیا گیا ہے؛ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰٓ ﴾[الاسراء:۳۲]

”زنا کے قریب مت جاؤ“۔ پس زنا تک پہنچانے والی ہر چیز حرام ہے۔

۳۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی بجا آوری فرض ہے، جب تک کہ اس حکم کو استحباب کی طرف پھیر دینے والی کوئی دوسری دلیل نہ ہو۔

۴۔ اسلام ایک آسان دین ہے، اس کے اندر ایک شخص کو شرعی اوامر واحکام کا اسی قدر مکلف کیا گیا ہے جتنی اس کے اندر قدرت واستطاعت ہے۔ اگر کوئی کسی حکم کو پورے طور پر ادا کرنے سے عاجز ہو، صرف اس کا بعض حصہ ادا کر سکتا ہو، تو اس کے لئے اپنی ممکن حد تک عبادت کی ادائیگی کافی ہے۔ مثال کے طور پر وضو کی استطاعت نہ ہو تو تیمم کرلے۔ کھڑے ہو کر صلاۃ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر، ورنہ اشارے سے پڑھ لے۔ وغیرہ

۵۔ اس حدیث سے بہ کثرت سوال کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، خصوصاً اس وقت جب کہ وحی کا نزول ہو رہا تھا، اور یہ امکان تھا کہ کسی کے سوال کی بنا پر کسی حلال کو حرام کر دیا جائے، اور کسی غیر واجب کو واجب کر دیا جائے۔

ممنوعہ سوالات کی بہت سی قسمیں ہیں: ایک تو یہ کہ ایسے غیبی امور سے متعلق سوال کیا جائے جس کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا؛ مثلاً قیامت کب آئے گی؟ یا قبر کے عذاب وآرام کی کیفیت کیا ہے؟ یا صفات باری کی کیفیت کیا ہے؟ صفات باری کی کیفیت سے متعلق سوال کا درست جواب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کسی ذات کے مشابہ نہیں ویسے ہی اس کی صفات کسی کی صفات کے مشابہ نہیں، اور ان کی کیفیت وحقیقت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

ایسے ہی وہ سوالات بھی منع ہیں جن کا مقصد تشدد، تعمق اور تنطع ہو۔ حدیث میں ہے: «هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ۔ قَالَهَا ثَلاَثاً»۔ (مسلم) ”غلو اور تکلف کرنے والے ہلاک ہو گئے“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا۔

ممنوعہ سوالات میں وہ فرضی سوالات بھی ہیں جو ابھی واقع نہیں ہوئے۔ سلف صالحین

اس طرح کے سوالات سخت ناپسند کرتے تھے۔ البتہ دینی مسائل جاننے کے لئے کسی مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم کرنا ضروری ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ فَسْـَٔلُوٓاْ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [النحل:۴۳] ''پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو''۔

اور حدیث میں ہے: ''ان لوگوں کو جب (مسئلہ) معلوم نہیں تھا تو انھوں نے سوال کیوں نہیں کیا؟ عاجز کا علاج سوال کرنا ہے''۔ (ابو داود)

طہارت وصلاۃ، صوم وزکاۃ، حج وعمرہ، خرید وفروخت اور نکاح وطلاق وغیرہ کے مسائل حاجت کے مطابق پوچھ کر کے سیکھنا فرض ہے۔

۶۔ بہ کثرت سوالات اور اپنے انبیاء کی مخالفت سابقہ امتوں کی ہلاکت کا سبب ہیں؛ لہذا مسلمانوں کو ان سے بچنا ضروری ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت دین ودنیا کے خسارے کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [النور:۶۳] ''سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انھیں کوئی دردناک عذاب نہ پہنچے''۔

حدیث(۱۰)

(حلال کمائی کی اہمیّت اور حرام کمائی کی مذمّت)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم-: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ تَعَالَى طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ، فَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُواْ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُواْ صَٰلِحًاۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾ (المؤمنون: ٥١)، وَقَالَ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ﴾ (البقرة:١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَا رَبِّ يَا رَبِّ، وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے، اور پاکیزہ کو ہی قبول فرماتا ہے، اور یقیناً اللہ عزوجل نے مومنوں کو بھی اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم رسولوں کو دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "اے رسولو! پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو، تم جو کچھ کررہے ہو اس سے میں بخوبی واقف ہوں"۔ نیز ارشاد ہے: "اے ایمان والو! ہم نے تمھیں جو روزی دی ہے اس میں سے پاکیزہ رزق کھاؤ"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر کیا جو لمبے سفر پر ہے، پراگندہ حال اور غبار سے اٹا ہوا ہے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے، کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اور حرام سے اس کی پرورش ہوئی ہے، تو کیونکر اس کی دعا قبول ہوسکتی ہے؟"۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام "طیب" ہے، یعنی ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات اور اقوال وافعال ہر ایک میں طیب وپاکیزہ ہے، کہیں کسی قسم کا عیب ونقص نہیں ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیزیں ہی قبول فرماتا ہے، خواہ وہ اقوال واعمال ہوں، یا صدقات وزکوات۔ اگر اقوال واعمال شرک وریا وغیرہ سے پاک نہیں تو وہ عند اللہ مقبول نہیں، اور اگر صدقات مال حلال سے نہیں بلکہ سود، رشوت، جوا، لاٹری، چوری، غصب یا کسی اور حرام طریقے سے حاصل کردہ ہیں تو ایسے مال کا صدقہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔

۳۔ رسولوں اور ان کی امتوں کو حلال وپاکیزہ رزق کھانے اور عمل صالح کرکے اس کا شکر بجالانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۴۔ اس حدیث میں دعا کی قبولیت کے چند اسباب ذکر کئے گئے ہیں:

۱) لمبا سفر: سفر اگرچہ طویل نہ ہو پھر بھی دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”تین دعائیں بلاشک وشبہ قبول ہوتی ہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، اور اولاد کے لئے والد کی دعا»۔ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ) وطن سے دوری اور مشقتیں جھیلنے کی وجہ سے سفر میں انسان پر لاچاری وعاجزی کی کیفیت نمایاں ہوتی ہے، اور یہ حالت رب کریم کو بہت پسند ہے۔

۲) لباس اور شکل وصورت کی پراگندگی اور غبار آلودگی۔

۳) آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھانا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ بہت حیادار اور نہایت کریم وداتا ہے، جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ کو انھیں خالی اور نامراد واپس کرنے سے حیا آتی ہے“۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

۴) اللہ کے اسماء وصفات کا وسیلہ: حدیث میں وہ شخص یارب یارب کہہ کر اللہ کی ربوبیت کا وسیلہ لے رہا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿وَلِلَّهِ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ فَٱدۡعُوهُ بِهَا﴾ [الأعراف:۱۸۰] ”اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں (کے واسطہ) سے اللہ سے دعا کرو“۔ قرآنی دعاؤں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر دعائیں (رَبَّنَا) سے شروع ہوتی ہیں۔

۵) دعا میں اصرار و تکرار اور عزم و قطعیت: حدیث میں مذکور شخص اپنے مطلوب کا مکمل حریص اور بار بار یارب کہہ کر اصرار کر رہا ہے۔ دعا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی تھی کہ "آپ ایک دعا کو تین تین بار دہرایا کرتے تھے"۔(مسلم)

۵۔ حدیث میں دعا کی قبولیت میں پائی جانے والی رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ کا بیان ہے، اور وہ ہے حرام کھانا، جو تمام رکاوٹوں میں سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ دوسری رکاوٹ واجبات کو چھوڑنا اور محرمات کا ارتکاب ہے۔ تیسری رکاوٹ قبولیت میں جلدبازی کرنا اور یہ کہنا ہے کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہ ہوئی۔ چوتھی رکاوٹ گناہ یا رشتے توڑنے کی دعا کرنا ہے۔

واضح رہے کہ دعا کی قبولیت صرف یہی نہیں کہ بندہ جو کچھ مانگ رہا ہے اسے بعینہ وہ چیز مل جائے، بلکہ اس کے دوسرے بھی انداز ہیں جو حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "زمین پر جب کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا فرمادیتا ہے، یا اسی جیسی کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے، بشرطیکہ اس نے گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کی ہو۔ ایک شخص نے کہا تب تو ہم بہت دعا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ بہت دینے والا ہے"۔(ترمذی)

مستدرک حاکم کی روایت میں قبولیت کا ایک اور انداز مروی ہے وہ یہ کہ: "اللہ تعالیٰ اسی جیسا اجر و ثواب اس کے لئے ذخیرہ فرمادیتا ہے"۔

حدیث (۱۱)

(شُبہات سے اجتناب)

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الحَسَنِ بنِ عَلِيّ بنِ أَبِي طَالِبٍ سِبْطِ رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - وَرَيْحَانَتِهِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يَرِيبُكَ**». رواه الترمذي والنسائي وقال الترمذي: حديث حسن صحيح.

ترجمہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد کر رکھی ہے کہ: ”شبہ میں ڈالنے والی چیزوں کو چھوڑ کر شبہ نہ ڈالنے والی چیزوں کو اپناؤ“۔ (اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ حدیث میں مشکوک اور مشتبہ چیزوں کو چھوڑ کر ایسے امور اپنانے کا حکم ہے جو شک وشبہ سے بالا ہیں؛ تاکہ دل اضطراب وبے چینی کا شکار نہ ہو، خواہ دنیاوی امور ہوں یا اخروی۔

۲۔ آدمی کوئی کام کرنے سے پہلے اس کے متعلق پختہ علم حاصل کر لے تاکہ کسی قسم کا شک اور تردد باقی نہ رہے، اور کام کر لینے کے بعد ندامت اور پچھتاوے کی نوبت نہ آئے۔

۳۔ سچائی کی علامت دل کا سکون ہے، اور جھوٹ کی نشانی دل کی بے اطمینانی۔ مذکورہ روایت کے آخر میں ترمذی وغیرہ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: «فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِيْنَةٌ، وَالْكَذِبَ رِيْبَةٌ». ”کیونکہ سچائی باعث اطمینان ہے اور جھوٹ باعث شک“۔

حدیث (۱۲)

(لایعنی وبے جاامور سے اجتناب)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ**». حديثٌ حسنٌ، رواه الترمذي وغيره هكذا.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آدمی کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی (اپنے سے غیر متعلق) چیزوں کو چھوڑ دے"۔

(یہ حدیث حسن ہے اسے ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ لایعنی قول وعمل ترک کردینے سے آدمی کے اسلام میں خوبی اور بہتری پیدا ہوجاتی ہے، اس طرح وہ اپنے وقت وزبان کی حفاظت کرلیتا ہے اور سکون خاطر واطمینان قلب پالیتا ہے۔

۲۔ لایعنی چیزوں سے مراد وہ اقوال واعمال ہیں جو آدمی سے غیر متعلق ہوتے ہیں، اپنے سے غیر متعلق امور میں دخل اندازی سے ہی سارے مسائل کھڑے ہوتے ہیں، اگر آدمی ان غیر متعلق امور سے کنارہ کش ہوکر اپنے متعلق امور میں لگ جائے تو فضولیات سے بچ کر نفع اٹھانے میں کامیاب ہوجائے گا۔

۳۔ لایعنی امور کو چھوڑ کر آدمی ان چیزوں کو اپنی مشغولیت بنائے جو اس کے لئے دین ودنیا دونوں میں مفید اور نفع بخش ہوں۔ وہ ایسی ہی چیزوں کے لئے اپنا پورا وقت اور اپنی پوری محنت صرف کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے۔اور ہر ایک میں بھلائی ہے۔ اپنے لئے نفع بخش چیزوں کی حرص رکھو، اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز بن کے نہ رہو“۔(مسلم)

حدیث (۱۳)

(اسلامی اخوّت وبھائی چارہ)

عَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - خَادِمِ رَسُوْلِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - عَنِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**لَا يُؤمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے“۔ (اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ ایمان کو مکمل کرنے والی ایک خصلت یہ ہے کہ آدمی اپنے مومن بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور ان باتوں کو ناپسند کرے جو خود اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔ یہی ایمانی اخوت کا تقاضا ہے۔

۲۔ اگر کوئی شخص اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے، تو ہمیشہ اس کا دل بغض وکینہ اور حسد وجلن سے محفوظ رہے گا، کیونکہ یہ برے اوصاف پیدا ہی اس لئے ہوتے ہیں جب آدمی خود کو دوسروں سے ممتاز اور برتر رکھنا چاہتا ہے، اور دوسروں کو اپنے برابر دیکھنا نہیں چاہتا۔

۳۔ جس شخص سے مذکورہ صفت ختم ہوجائے اس کے ایمان میں کمی ہوجاتی ہے۔ ایک مسلمان آدمی ہمیشہ ان چیزوں کی تلاش میں رہتا ہے جس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور انھیں اختیار کرتا ہے، ساتھ ہی ایسی چیزوں سے اپنے ایمان کی حفاظت کرتا ہے جو ایمان کی کمی کا باعث

ہوتی ہیں۔

۴۔ اگر مسلمان اس حدیث کے مضمون کو اپنے معاشرے میں نافذ کرلیں تو ایک بے مثال، بے داغ اور قابل رشک سماج وجود میں آجائے گا، جو اس حدیث کے مصداق ہوگا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ”باہمی محبت وشفقت میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، اگر ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا بدن بخار اور بیداری کے ساتھ تڑپ جاتا ہے“۔(بخاری ومسلم)

۵۔ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یعنی اطاعت وبندگی سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور معصیت ونافرمانی سے ایمان میں کمی ہوتی ہے۔یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔

حدیث (۱۴)

(خونِ مسلم کی حرمت)

عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُودٍ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدَىٰ ثَلَاثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تین اسباب میں سے کسی ایک سبب کے بغیر مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں: شادی شدہ ہوکر زنا کرلے، کسی شخص کو (جان بوجھ کر) قتل کردے، اپنے دین اسلام سے مرتد ہوکر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوجائے“۔ (اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ حدیث میں مذکور تین حالات کے سوا مسلمان کا خون معصوم اور محترم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان ومال اور عزت وآبرو سب کچھ حرام ہے“۔ (مسلم)

کسی مومن کو ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا ﴾ [النساء:۹۳] ”اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کرڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے، اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کرر کھا ہے“۔

۲۔ اگر کوئی مکلف کسی شخص کو عمداً ناحق قتل کر دے تو اس کے بدلہ میں اسے بھی قتل کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ [البقرة:۱۷۸] "اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے"۔

۳۔ حدیث کے عموم (جان کے بدلے جان) سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ عمرو بن حزم کی حدیث سے اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صحیح مسلم میں ثابت ہے: «لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ»۔ "کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا" لیکن اگر وہ کافر ذمی یا معاہد یا مستأمن ہے تو اس کی دیت ادا کرنی ہو گی۔ واضح رہے کہ کافر کی دیت مسلمانوں کی دیت کا نصف ہے، جیسا کہ ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔

کفار کی چار قسمیں ہیں:

1. **حربی:** جو مسلمانوں سے جنگ کی حالت میں ہو۔
2. **ذمی:** جو جزیہ دے کر مسلمانوں کے ملک میں مقیم ہو، اور مسلمانوں نے اس کے جان ومال کی حفاظت کا پیمان دیا ہو۔
3. **معاہد:** جس کا قیام اس کے اپنے ملک میں ہو لیکن اس سے جنگ بندی کا معاہدہ ہو۔
4. **مستأمن:** جس سے مسلمانوں نے کوئی عہد وپیمان نہ کیا ہو، البتہ ایک متعین وقت تک اسے امان دی گئی ہو؛ مثلاً کوئی حربی کافر تجارت وغیرہ کی غرض سے امان طلب کر کے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہوا، تو جس مدت تک اسے امان دی گئی ہے وہ مستأمن ہے۔

۴۔ جس شخص نے شادی شدہ ہو کر زنا کر لیا ہو اس کا خون حلال ہو جاتا ہے، اور اس کی سزا رجم یعنی سنگساری ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز، غامدیہ، دو یہودیوں نیز ایک اور عورت کو رجم فرمایا ہے۔

۵۔ جو شخص دین اسلام چھوڑ کر برگشتہ ہو جائے اور ارتداد اختیار کر لے اس کا خون حلال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو اپنا دین تبدیل کر دے اسے قتل کر دو“۔ (بخاری) البتہ اسے سمجھا کر توبہ کرنے اور دوبارہ مسلمان ہو جانے کی دعوت دی جائے گی، اگر اس نے توبہ کر لی اور دوبارہ اسلام میں واپس پلٹ آیا تو اسے معاف کر دیا جائے گا، کیونکہ توبہ کے بعد وہ مرتد نہیں رہ گیا، اور اگر وہ اپنے کفر پر مصر رہا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

٦۔ حدیث میں مذکور تین خصلتوں کے سوا چند خصلتیں اور بھی ہیں جن کی بنا پر ایک مسلمان کا خون حلال ہو جاتا ہے۔ جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱) لواطت (اغلام بازی): نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس کسی کو قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو“۔ (احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

۲) اپنی محرم سے زنا: ”ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا“۔ (علل الدارقطنی)

۳) جادوگری: جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے مار دیا جائے“۔ (ترمذی)

۴) ایک خلیفہ کی موجودگی میں خلافت کا دوسرا دعویدار: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جب دو خلیفہ سے بیعت کر لیا جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو“۔ (مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ ”اگر تمھارے پاس کوئی شخص اس حال میں آئے کہ تمھارا معاملہ ایک شخص پر متحد ہے اور وہ تمھارا شیرازہ منتشر اور تمھاری جماعت کو متفرق کرنا چاہتا ہے تو اس کو قتل کر دو“۔ (مسلم)

۵) زمین میں فساد پھیلانا۔ اس کی سزا ہے قتل یا پھانسی یا جلا وطنی یا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسرے طرف کا پیر کاٹ دینا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿ إِنَّمَا جَزَٰٓؤُاْ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسۡعَوۡنَ

فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓاْ أَوۡ يُصَلَّبُوٓاْ أَوۡ تُقَطَّعَ أَيۡدِيهِمۡ وَأَرۡجُلُهُم مِّنۡ خِلَٰفٍ أَوۡ يُنفَوۡاْ مِنَ ٱلۡأَرۡضِۚ ذَٰلِكَ لَهُمۡ خِزۡيٞ فِي ٱلدُّنۡيَاۖ وَلَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾[المائدۃ:۳۳] ''جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں، یا سولی چڑھا دیئے جائیں، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے''۔

حدیث (۱۵)

(اسلامی آدابِ معاشرت)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضي الله عنه - أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَو لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللهِ وَالْيَومِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللهِ وَالْيَومِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے“۔ (اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ حدیث میں مذکور ایمانی خصلتیں حقوق العباد سے متعلق ہیں اور مکارم اخلاق کی جامع ہیں۔

۲۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کا ایک تقاضا یہ ہے کہ مسلمان بھلی بات کہے یا چپ رہے، یعنی جب مسلمان آدمی کوئی بات بولنا چاہے تو اس کے نتیجہ پر غور کرے، کیا اس میں کوئی ضرر یا فساد یا خرابی ہے؟ اور کیا یہ بات آدمی کو کسی حرام یا مکروہ تک لے جاتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو زبان کھولے ورنہ زبان بند رکھے کہ اسی میں عافیت اور سلامتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان کی حفاظت بہت اہم ہے اور اس سے متعلق قرآن وحدیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک حدیث میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: ”بے شک بندہ لاپرواہی کے ساتھ اللہ کی رضا کا ایک کلمہ بولتا ہے اللہ تعالی اس کے ذریعے اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔ اور بے شک بندہ لاپرواہی کے ساتھ اللہ کی ناراضگی کا ایک کلمہ بولتا ہے اور اس کی وجہ سے جہنم کے گڑھے میں گر جاتا ہے“۔ (بخاری)

۳۔ بے فائدہ کثرت کلامی اور بسیار گوئی بری چیز ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "جو زیادہ باتیں کرتا ہے زیادہ غلطیاں کرتا ہے، اور جو زیادہ غلطیاں کرتا ہے اس کے گناہ بڑھ جاتے ہیں، اور جس کے گناہ زیادہ ہوں جہنم اس کا زیادہ حقدار ہے"۔

۴۔ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ پڑوسی کی عزت واکرام کی جائے۔ پڑوسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا، اس کی خیر وعافیت دریافت کرنا، بیمار ہونے پر عیادت کرنا، ضرورت کے وقت کام آنا، اس کے رازوں کی حفاظت کرنا، اس کی عزت وآبرو کا دفاع کرنا، موقعہ بہ موقعہ تحفے تحائف دینا، ضرورت مند ہو تو صدقہ وخیرات سے اس کا خیال رکھنا۔ یہ سب پڑوسی کے حقوق ہیں جن کی نگہداشت ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اے ابوذر! جب تم شوربہ پکاؤ تو اس کا پانی بڑھا دو، اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو“۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جبریل علیہ السلام مجھے برابر پڑوسی سے متعلق نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ اسے وارث بنا دیں گے“۔ (متفق علیہ)

۵۔ پڑوسی کو اذیت پہنچانا حرام اور اس کی عزت وآبرو پر حملہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”کسی کو اللہ کا ہمسر بنانا حالانکہ اس نے تنہا تم کو پیدا کیا ہے۔ پوچھا گیا: اس کے بعد کونسا گناہ؟ آپ نے فرمایا: اپنے بچہ کو اس ڈر سے قتل کرنا کہ وہ تمہارے کھانے میں شریک ہو جائے گا۔ پوچھا گیا: پھر کونسا گناہ؟ آپ نے فرمایا: اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا“۔ (متفق علیہ)

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، دریافت کیا گیا: کون اے اللہ کے رسول! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ رہیں“۔

پڑوسی کی عیب گیری اور مذمت، اس کے ساتھ گالی گلوج، اسے برا بھلا کہنا، اور اس کی دولت وجائداد پر غاصبانہ قبضہ وغیرہ بھی اسلامی شریعت میں حرام ہیں، کیونکہ یہ سب پڑوسی کو اذیت پہنچانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

٦۔ آپ کا قریب ترین پڑوسی وہ ہے جس کا دروازہ آپ سے سب سے زیادہ قریب ہو۔

واضح رہے کہ پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں:

❶ کافر پڑوسی جسے صرف پڑوس کا حق ہے۔

❷ مسلمان پڑوسی جسے اسلام اور پڑوس کی وجہ سے دہرا حق ہے۔

❸ مسلمان رشتہ دار پڑوسی جو تہرے حقوق کا مستحق ہے۔

٧۔ مہمان نوازی واجب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”ضیافت تین دن ہے، ایک دن اور ایک رات عطیہ ہے، اور اس کے بعد مہمان پر جو کچھ خرچ کیا جائے صدقہ ہے، کسی مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس گنہگار کر دینے کی حد تک ٹھہر جائے۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیسے اسے گنہگار کرے گا؟ آپ نے فرمایا: اتنی مدت تک ٹھہر جائے کہ اس کے پاس اس کی ضیافت کے لئے کچھ نہ رہ جائے“۔ (صحیح مسلم)

حدیث(١٦)

(غصّہ سے ممانعت)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضي الله عنه -: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم -: أَوْصِنِيْ . قَالَ: «لَا تَغْضَبْ»، فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ». رواه البخاري .

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے کہا:"غصہ نہ کیا کرو"، پھر اس نے اپنی بات کئی بار دہرائی تو بھی آپ نے کہا:"غصہ نہ کیا کرو"۔(اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

١۔جوش انتقام سے دل کا خون کھولنے کا نام غصہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو بار بار غصہ نہ کرنے کی تاکید فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ ہر برائی کی جڑ ہے، اور غصہ سے بچنا ہر نیکی کی اساس ہے۔ غصہ ہی کی بنا پر کتنے بے جا گالی گلوج، تہمت تراشیاں، قطع تعلقات، طلاق وخلع اور ناحق قتل وخون ہو جایا کرتے ہیں، غصہ روک کر آدمی ان ساری برائیوں سے بچ سکتا ہے۔

٢۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دو عظیم باتوں پر مشتمل ہے:

١) اسباب کو اختیار کرنے کا حکم۔ بہتر اخلاق اپنانے کی مشق، حلم وبردباری، صبر و تحمل، نفس پر قابو اور قولی وفعلی اذیتوں کو برداشت کرنے کی صفت پیدا کرنا۔ اگر بندہ کو ان اعلی اوصاف کی توفیق مل جائے تو جب بھی غصہ کا وقت آئے گا وہ اپنے اچھے اخلاق، صبر وضبط اور عاقبت اندیشی کی بنا پر غصہ پی جایا کرے گا۔

٢) غصہ آجانے کے باوجود اس کے تقاضے پر عمل نہ کرنا۔ غالباً انسان کو غصہ روکنے کی قدرت نہیں ہوتی، البتہ غصہ کے تقاضوں کو روکنے کی اسے بہر حال قدرت ہوتی ہے، لہذا اسے ان تمام اقوال

واعمال سے پرہیز کرنا ضروری ہے جن پر غصہ آمادہ کرتا ہے جبکہ اسلامی شریعت نے انھیں حرام قرار دیا ہے۔

۳۔ غصہ کا علاج غصہ آنے سے پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو صبر و تحمل کا عادی اور پابند بنائے۔

۴۔غصہ کا علاج غصہ آنے کے بعد مندرجہ ذیل ہے:

۱) غصہ پی جانے کی فضیلت کو یاد کرنا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ﴾ [آل عمران:۱۳۴] ”غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان نیک کاروں سے محبت کرتا ہے“۔ حدیث میں ہے: ”پہلوان وہ نہیں جو پچھاڑ دے، حقیقی پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے“۔(متفق علیہ) بہادری جسمانی قوت سے نہیں بلکہ دماغی قوت سے ہوتی ہے، جو شخص حالت غضب میں بھی اپنے آپ کو حق کا پابند رکھتا ہے وہی دراصل بہادر ہے۔

۲)شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔ أَعُوذُ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَانِ ٱلرَّجِيمِ پڑھنا۔

۳)وضو کرنا۔

۴)موجودہ حالت وہیئت کو تبدیل کرلینا، یعنی اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے۔

۵۔غصہ کے معاملہ میں انسانوں کی تین قسمیں ہیں:

❶ جو اس قدر غضبناک ہو جاتے ہیں کہ ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں، اور انھیں اپنے قول و فعل تک کا شعور واحساس نہیں رہ جاتا۔

❷ جو کسی بھی بات پر غصہ نہیں ہوتے خواہ بڑی سے بڑی بات ہو جائے۔

❸ جو بوقت ضرورت غصہ ہوتے ہیں اور سبب ختم ہونے پر ان کا غصہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ تیسری حالت سب سے مناسب اور موزوں ہے۔

۶۔ غصہ اگر دنیوی اسباب کی بنا پر ہے تو قابل مذمت ہے، لیکن اگر اللہ کے لئے اور حق کی خاطر ہے تو قابل مدح ہے، چنانچہ قرآن مجید میں شرک کو دیکھنے پر موسی علیہ السلام کے غضبناک ہونے کا ذکر ہے، نیز احادیث میں اللہ کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

۷۔ غصہ کی بعض قسمیں جبلی اور وہبی ہوتی ہیں، اور بعض کسبی اور حاصل کردہ ہوتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اَشج عبد القیس سے فرمایا تھا: ’’تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں: حلم وبردباری اور عدم استعجال۔ انھوں نے سوال کیا: ان دونوں اخلاق پر میں پیدا کیا گیا ہوں یا میں نے انھیں ازخود حاصل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ ان دونوں اخلاق پر تمھیں پیدا کیا گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: الحمد للہ! ہر قسم کی تعریفیں اللہ کے لئے جس نے مجھے اپنے پسندیدہ اخلاق پر پیدا فرمایا‘‘۔ (مسلم)

حدیث (۱۷)

(تمام امور میں احسان و بھلائی کا حکم)

عَنْ أَبِي يَعْلَىٰ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ - رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ - عَنْ رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ. فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ**». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابو یعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں اچھے برتاؤ کو فرض کیا ہے، تو جب تم قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، اور جب تم ذبح کرو تو اچھے انداز میں ذبح کرو، تم اپنی چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ"۔ (اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و احکام:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے تمام معاملات میں اچھے برتاؤ کو فرض کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اچھے برتاؤ کو پسند کرتا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَأَحْسِنُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ﴾ [البقرة:۱۹۵]
"اور اچھا برتاؤ کرو، اللہ تعالیٰ اچھا برتاؤ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

۲۔ احسان کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ کی عبادت میں احسان، دوسرا بندوں کے معاملات میں احسان۔ دونوں کا بیان حدیث (۲) میں گذر چکا ہے۔

۳۔ احسانات کی ایک اہم قسم حیوانات کے ساتھ احسان ہے۔ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا جائے، انھیں ذبح کرتے ہوئے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ ذبح کے وقت اچھے برتاؤ کی مختلف صورتیں ہیں؛ مثلاً چھری تیز رکھی جائے تاکہ جلد روح نکل جائے، ذبیحہ کو آرام پہنچایا جائے، یعنی اسے پہلو کے

بل لٹا دیا جائے، اس کے چہرے پر پاؤں رکھ لیا جائے، خوب اچھی طرح تیزی کے ساتھ خون نکلنے کے لئے اسے چھوڑ دیا جائے، اس کی رگیں، حلق اور نرخرہ کاٹ دی جائیں، چھری کو ذبح سے پہلے نہ دکھایا جائے، نہ ہی چھری اس کے سامنے تیز کی جائے، ایک جانور کو دوسرے جانوروں کے سامنے ذبح نہ کیا جائے، روح نکلنے سے پہلے گردن اور ہڈیاں نہ توڑی جائیں، اور نہ ہی جِلد اتاری جائے۔

حدیث(۱۸)

(تقویٰ اور حسن اخلاق)

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ الْغِفَارِيْ وَأَبِيْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا - عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ**». رواه الترمذي وقال: حديث حسن. وفي بعض النسخ: حسنٌ صحيح.

ترجمہ:

ابوذر اور معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ سے ڈرتے رہو جس جگہ بھی رہو، برائی کے بعد نیکی کرلو نیکی برائی کو مٹادے گی، اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معاملہ کرو“۔ (اسے ترمذی نے روایت کیاہے اور حسن قرار دیاہے، بعض نسخوں کے مطابق حسن صحیح قراردیاہے)

فوائد واحکام:

۱۔یہ بہت عظیم حدیث ہے۔ اس کے اندر حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اکٹھا کردیا گیا ہے۔ تقویٰ کا حکم دے کر اللہ کا حق ذکر کردیا گیا ہے اور اچھے اخلاق کا ذکر کرکے بندوں کا حق۔ درمیان میں کوتاہیوں کی تلافی کانسخہ بتادیا گیاہے۔

۲۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے اور عذاب الٰہی کے مابین بچاؤ کا سامان کرلے، بایں طور کہ احکام کی پابندی کرے اور ممنوعات سے دور رہے۔ تقویٰ تمام اگلے اور پچھلے لوگوں کے لئے اللہ کی وصیت ہے۔ ارشاد ہے:﴿ وَلَقَدۡ وَصَّيۡنَا ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ مِن قَبۡلِكُمۡ وَإِيَّاكُمۡ أَنِ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ﴾[النساء:۱۳۱]

”اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو“۔ نیز ہر رسول اپنی قوم سے یہی کہا کرتے تھے:

﴿ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ﴾[العنکبوت:١٦]

”اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو“۔ سلف صالحین بھی باہم اسی کی وصیت اور تاکید کیا کرتے تھے۔

۳۔ تقویٰ، اللہ کا ڈر اور اللہ کی نگرانی کا احساس خلوت و جلوت ہر جگہ مطلوب ہے۔ جہاں لوگوں کی نظر پڑ رہی ہو اور جہاں لوگوں کی آنکھوں سے دور ہوں، جس حالت میں ہوں، جس جگہ ہوں، کھلے اور چھپے ہر جگہ اللہ سے ڈرتے رہنا ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ آدمی اللہ کے ساتھ اگر اپنا معاملہ درست کر لے تو اللہ تعالیٰ مخلوقات کے ساتھ اس کے معاملات کو درست کر دے گا، لیکن اگر کوئی بدنصیب اللہ کو ناراض کر کے لوگوں میں قابل تعریف بننا چاہتا ہے، تو اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور تعریف کرنے والے بھی ایک مدت بعد اس کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ دراصل تنہائی میں اللہ کی نگرانی اور اس کے ڈر کا احساس ختم ہو جانا دل کی ایک بیماری ہے، اسی لئے قرآن مجید میں اسے منافقین کی ایک صفت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ منافقین لوگوں سے اپنا حال چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپاتے، اور اللہ سے کوئی چیز کہاں چھپ سکتی ہے کہ اس سے کائنات کا کوئی ذرہ مخفی نہیں۔

۴۔ یہ بات یقینی ہے کہ بندے سے تقویٰ کے تقاضوں کی تکمیل میں ضرور کوتاہی ہو جاتی ہے، اس لئے اس ذریعہ کی طرف اشارہ کر دیا گیا جس سے اس کوتاہی کا ازالہ کیا جا سکے، فرمایا: ”گناہ کے بعد نیکی کر لو نیکی اسے مٹا دے گی“۔ نیکی سے توبہ بھی مراد ہو سکتی ہے، اور بے شک توبہ اگر خالص ہو تو وہ گناہ کے مٹانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور نیکی سے عام نیکیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں، ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱلۡحَسَنَٰتِ يُذۡهِبۡنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾[ھود:١١٤]

”یقینا نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں“۔

جن نیکیوں کو حدیث میں گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا ہے ان میں سے ایک صلاۃ ہے، حدیث میں اسے گھر کے سامنے بہنے والے ایک نہر سے تشبیہ دی گئی ہے، جس میں آدمی روزانہ پانچ بار غسل کرتا ہو، جس سے اس کے میل کچیل صاف ہو جاتے ہوں، یہی مثال صلاۃ کی ہے، وہ اسی طرح گناہوں کو دھو دیتی ہے۔(متفق علیہ)

صلاۃ پنجوقتہ، صوم رمضان، قیام اللیل، حج وعمرہ بھی گناہوں کا کفارہ ہیں، انسان وحیوان بلکہ تمام مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک، عفوو کرم، مصیبتوں میں کام آنا، تنگدستی میں امداد وتعاون کرنا وغیرہ بھی گناہوں کا کفارہ ہیں۔ ایسے ہی جسم کو لگنے والی بیماری، مال کو پہنچنے والی مصیبت، اور اولاد پر آنے والی آفت بھی گناہوں کا کفارہ ہے۔

۵۔ نیکیوں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں بشرطیکہ وہ صغیرہ گناہ ہوں کیونکہ کبیرہ گناہ کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے۔

٦۔ حدیث میں حسن اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ حسن اخلاق یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اس کے شایان شان معاملہ کیا جائے۔ دوسروں کے لئے وہی پسند کیا جائے جو خود اپنے لئے پسند کیا جائے، اور جو خود اپنے لئے ناپسند ہو وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند ہو۔ دوسروں کے ساتھ بھلائی، عفوو کرم اور سخاوت وفیاضی کا معاملہ کیا جائے۔ ان کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں پر صبر کیا جائے، کسی کو ضرر اور اذیت نہ پہنچائی جائے، ملاقات کے وقت مسکراتے ہوئے اور چہرے پر شگفتگی بکھیرے ہوئے ملا جائے۔

”حسن اخلاق قیامت کے دن میزان میں سب سے زیادہ وزنی چیز ہوگی“۔(ترمذی) اور ”حسن اخلاق والا بروز قیامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب اور آپ سے قریبی نشست پانے والا ہوگا“۔(ترمذی) ”جو شخص سب سے زیادہ حسن اخلاق کا مالک ہے وہ سب سے زیادہ ایمان میں کامل ہے“۔(صحیح الجامع) ”حسن اخلاق کی بدولت ایک مومن کو صائم وتہجد گذار کا

درجہ مل جاتا ہے"۔(ابوداود، ابن ماجہ)

۷۔ حسن اخلاق اتباع رسول سے حاصل ہو گا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلی مقام پر فائز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ جس طرح زندگی کے دوسرے معاملات میں ہے اخلاق میں بھی ہے۔

حدیث (۱۹)

(تقدیر اور توکّل علی اللہ)

عَنْ أَبِي عَبَّاسٍ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ - رضي الله عنهما - قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - يَوْمًا، فَقَالَ: «**يَا غُلَامُ! إِنِّيْ أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَىٰ أَن يَّنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ**». رواه الترمذي وقال: حديث حسن صحيح - وفي رواية - غير الترمذي: «**اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا**».

ترجمہ:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا، آپ نے فرمایا: ”اے بچے! میں تجھے چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں: اللہ کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کرے گا، اللہ کی حفاظت کر اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو مانگ تو اللہ سے مانگ، اور جب تو مدد طلب کر تو اللہ سے ہی مدد طلب کر۔ یقین جان لے کہ اگر ساری امت اکٹھا ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچادے تو نفع نہیں پہنچاسکتی مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے، اور اگر ساری امت اکٹھا ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچادے تو ضرر نہیں پہنچاسکتی مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ نے تیرے خلاف لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھالئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں“۔ اسے ترمذی نے

روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے، ترمذی کے علاوہ ایک دوسری روایت میں ہے: ”اللہ کی حفاظت کر اس کو اپنے سامنے پائے گا، اللہ سے خوشحالی میں پہچان بنا کے رکھ وہ سختی میں تجھے پہچانے گا، اور یقین رکھ کہ جو (نعمت یا مصیبت) تجھ سے ہٹ گئی وہ تجھ تک پہنچ نہ سکتی تھی، اور جو تجھ کو پہنچ گئی وہ تجھ سے ہٹ نہ سکتی تھی، یقین رکھ کہ غلبہ صبر کے ساتھ ہے، اور کشادگی تکلیف کے ساتھ ہے، اور دشواری کے ساتھ آسانی ہے“۔

فوائد واحکام:

۱۔ امام ابن رجب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عظیم وصیتوں اور امور دین سے متعلق کلی قواعد پر مشتمل ہے۔

۲۔ ”اللہ کی حفاظت کرو اللہ تمھاری حفاظت کرے گا“ یعنی اس کے دین وشریعت کی حفاظت کرو، صلاتوں کی حفاظت کرو، قسموں کی حفاظت کرو، شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اللہ کے حدود کی حفاظت کرو، اس کے حکموں کی پابندی کرو، اور اس کی روکی ہوئی چیزوں سے رک جاؤ۔ جو شخص ایسا کرے گا اللہ اس کے دین کی، اس کے جان ومال کی اور اہل وعیال کی حفاظت فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ زندگی میں گمراہ کن شبہات اور شرک وبدعات سے، نیز حرام شہوات وخواہشات سے محفوظ رکھ کر دین کی حفاظت فرمائے گا، اور ایمان پر اس کی وفات ہوگی۔ وفات کے بعد عذاب قبر اور عذاب جہنم سے اس کی حفاظت فرمائے گا، اس کو اور اس کے اہل وعیال کو آفات اور بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے مال میں برکتیں نازل ہوں گی۔ چوری، ڈکیتی، آتش زنی اور دیگر حوادث سے مال سلامت رہے گا۔

اللہ تعالیٰ صالح بندوں کی اولاد کی بھی حفاظت کرتا ہے، جیسا کہ سورہ کہف میں موسیٰ اور خضر علیہم السلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ خضر علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا تھا، کیونکہ وہ ایسے دو یتیم بچوں کی تھی جن کا باپ نیک انسان تھا۔

۳۔ جو لوگ اللہ کے دین و شریعت کو ضائع و برباد کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی انھیں ضائع کر دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے:﴿ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ﴾[التوبة:٦٧] ”یہ اللہ کو بھول گئے اللہ نے انھیں بھلا دیا“۔ نیز ارشاد ہے:﴿ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ﴾[الصف:٥] ”پس جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو (اور) ٹیڑھا کر دیا“۔ حالت یہ ہو جاتی ہے کہ جن سے انسان خوشی کی امید رکھتا ہے ان سے بھی اسے تکلیف پہنچنے لگتی ہے۔ اس کے بیوی بچے اور نوکر چاکر سب اس کے نافرمان ہو جاتے ہیں۔

۴۔ اللہ کے دین کی حفاظت کرنے والا اللہ کو اپنے سامنے پائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اسے ہر نیکی اور بھلائی کی توفیق دے گا، ہر تنگی میں فراخی اور ہر مشکل میں آسانی فرمائے گا، اس کے دل سے ہر بے جا خوف و اندیشہ دور کر دے گا۔

۵۔ سوال صرف اللہ سے کرو، کسی مخلوق کے سامنے دست طلب دراز نہ کرو، کیونکہ اس میں ان کے سامنے ذلت و فقر کا اظہار ہے جو صرف اللہ کے سامنے ہونا چاہیے۔

امام ابن تیمیہ نے کیا خوب فرمایا ہے: "مخلوق سے سوال کرنے میں تین برائیاں ہیں: ۱۔ غیر اللہ کے سامنے فقر و محتاجی کا اظہار جو شرک کی ایک صورت ہے۔ ۲۔ جس سے سوال کیا گیا ہے اس کو تکلیف پہنچانا جو مخلوق پر ظلم کی ایک صورت ہے۔ ۳۔ غیر اللہ کے سامنے ذلیل ہونا جو نفس پر ایک ظلم ہے۔ "

البتہ اگر کسی وقت انسان مخلوق سے سوال کرنے پر مجبور ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشر طیکہ وہ ایسا سوال ہو جو مخلوق کے بس میں ہو، اور اس پر بھی عقیدہ یہ ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک سبب اور ذریعہ ہے، ورنہ حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

٦۔ حدیث میں اللہ ہی سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے: ”اپنے لئے مفید چیز کے حریص بنو، اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز نہ

بنو"۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر صلاۃ کے بعد یہ دعا پڑھا کریں: «اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلَىٰ ذِكْرِكَ، وَشُكْرِكَ، وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ» "اے اللہ! اپنے ذکر وشکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما"۔ قرآن پاک میں سورہ فاتحہ کے اندر بندہ کو ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اللہ کی مدد کے بغیر نہ احکام کی بجاآوری کر سکتا ہے، نہ ہی ممنوعات سے بچ سکتا ہے، اور نہ ہی آسمانی بلاؤں پر صبر کر سکتا ہے، لہٰذا وہ ہر گھڑی اللہ کی مدد کا محتاج ہے، اور اسے ہر ساعت اللہ سے مدد مانگنے کی ضرورت ہے۔

امام ابن قیم فرماتے ہیں: "استعانت میں دو اصول اکٹھا ہیں: ایک اللہ پر اعتماد کا عقیدہ دوسرے اس پر عملاً اعتماد۔ بندہ کسی شخص کو لائق اعتماد سمجھتا ہے مگر اس کے باوجود اس پر اعتماد نہیں کرتا، کیونکہ اسے اس کی حاجت نہیں ہوتی، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی کو لائق اعتماد نہ سمجھنے کے باوجود اس کی ضرورت کی بنا پر اس پر اعتماد کرتا ہے، کیونکہ اس کا کوئی متبادل اور قائم مقام نہیں ہوتا"۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "میں نے غور کیا کہ سب سے زیادہ مفید دعا کون سی ہے؟ تو میں نے پایا کہ وہ دعا اللہ سے اس کی مرضی کے کاموں پر مدد مانگنا ہے، اور وہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

۷۔ دنیا میں بندہ کو جو بھی نفع وضرر پہنچتا ہے وہ اس کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ جو کچھ انسان کی تقدیر میں ہے پوری دنیا مل کر اسے نہیں ٹال سکتی۔ اس عقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ تنہا اللہ ہی سے مدد چاہے، اسی سے سوال کرے، اسی سے گریہ وزاری کرے، اور تنہا اسی کی عبادت کرے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا﴾[التوبة:٥١] "آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں کوئی چیز پہنچ ہی نہیں سکتی سوائے اس کے جتنا اللہ نے ہمارے حق میں لکھ دیا ہے، وہ ہمارا کارساز اور مولی ہے"۔ نیز ارشاد ہے: ﴿مَآ

أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ ﴾ [الحدید:۲۲]
”نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے اور نہ (خاص) تمھاری جانوں میں مگر وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے“۔

۸۔ اللہ تعالیٰ لوح محفوظ میں بندوں کی تقدیر لکھ کر فارغ ہو چکا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھ دی تھی“۔

نیز صحیح مسلم میں یہ روایت بھی ہے کہ ”ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول آج ہمارا عمل کس طرح ہے؟ کیا اس طرح کہ قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے یا مستقبل میں؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس میں ہے کہ قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے۔ تو صحابی نے پوچھا: پھر عمل کیونکر کریں؟ آپ نے فرمایا: عمل کرتے جاؤ ہر کسی کے لئے وہی آسان ہوتا ہے جس پر اس کی تخلیق کی گئی ہے“۔

۹۔ جو شخص اپنی صحت و تندرستی، امن وعافیت اور خوشحالی میں اللہ کو یاد رکھے گا، اس کی اطاعت وفرماں برداری کرے گا، واجبات وفرائض کا پابند اور حرام کاموں سے باز رہے گا، تو بیماری وخوف اور شدت ومصیبت کی حالت میں اللہ بھی اسے یاد رکھے گا، اسے خوف سے نجات دے گا، اور تنگی میں فراخی عطا کرے گا۔

اللہ کے نبی یونس علیہ السلام کے قصہ پر غور کیجئے کہ اللہ نے انھیں مچھلی کے پیٹ سے نجات دی اور سبب یہ بتلایا کہ وہ تسبیح کرنے والے تھے۔ ﴿ فَلَوۡلَآ أَنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلۡمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطۡنِهِۦٓ إِلَىٰ يَوۡمِ يُبۡعَثُونَ ﴾ [الصافات:۱۴۳ – ۱۴۴] ”پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے“۔ جب کہ ظالم فرعون کا قصہ دیکھئے کہ غرق ہونے کے وقت جب اس نے ایمان کا اعلان کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ تو اہل فساد میں سے تھا۔ ﴿ ءَآلۡـَٰٔنَ وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ وَكُنتَ مِنَ ٱلۡمُفۡسِدِينَ ﴾

[یونس:۹۱] ”(جواب دیا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے؟ اور پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں داخل رہا“۔

۱۰۔ صبر کرنے سے فتح وغلبہ نصیب ہوتا ہے۔ صبر اپنے اندر بڑے عظیم معانی رکھتا ہے۔ اس میں دشمنوں سے جہاد اور اپنے نفس اور اس کی خواہشات سے جہاد بھی شامل ہے۔ صبر سے متعلق مزید تفصیل حدیث (۲۳) میں آئے گی۔

۱۱۔ جب انسان پر مصیبت پڑتی ہے، وہ دشواریوں اور سختیوں سے دوچار ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف لو لگاتا ہے، اس کی رسی کو مضبوطی سے تھامتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانیوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ فَإِنَّ مَعَ ٱلْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ ٱلْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ [الشرح:۵ – ٦] ”پس یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے“۔

۱۲۔ بچوں کو عقیدہ کی تعلیم دینا اور ان کی دینی تربیت کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے۔

۱۳۔ دوران سفر اپنا قیمتی وقت فضول گفتگو میں ضائع کرنے کے بجائے دعوت و تعلیم میں لگانا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات اس وقت سکھلائے تھے جب وہ آپ کی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھے۔

حدیث (۲۰)

(شرم وحیا ایمان کا جز ہے)

عَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيّ الْبَدْرِيّ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**إِنَّ مِمَّا أَدرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَىٰ: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ**». رواه البخاري.

ترجمہ:

ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”پہلی نبوتوں کے کلام میں سے جو بات لوگوں تک پہنچی ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ جب تمھیں شرم نہ ہو تو جو چاہو کرو“۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ حیا ایک ایسا اعلیٰ اخلاقی جوہر ہے جس کے فضائل پچھلی شریعتوں میں بھی بیان کئے گئے تھے۔ در حقیقت وہ ایک ایسی ملکوتی صفت ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی، حقداروں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے بچاتی، اور شریفانہ اطوار کو اپنانے پر آمادہ کرتی ہے، لیکن وہ شرم جو انسان کو برائیوں سے نہ روکے بلکہ واجبات کی ادائیگی سے روک دے قابل تعریف نہیں بلکہ قابل مذمت ہے۔

۲۔ حیا کی تعریف میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”حیا ایمان کی ایک شاخ ہے“۔ (متفق علیہ) نیز ارشاد ہے: ”حیا خیر ہی خیر ہے، اور اس کا انجام خیر ہی ہوتا ہے“۔ (مسلم)

۳۔ اس حدیث کا مطلب دو طرح ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جو کام تم کرنا چاہتے ہو اسے دیکھو، اگر وہ ایسا نہ ہو جس سے شرم کیا جائے تو اسے کر ڈالو، اور اگر وہ ایسا کام ہو جس سے شرم آتی ہو

تو اسے چھوڑ دو، اور مخلوق کی پرواہ نہ کرو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جب شرم نہیں ہوتی تو نہایت بے پرواہی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے؛ کیونکہ برائیوں سے روکنے والی چیز حیا ہی ہے، جب وہی ختم ہو جائے تو برائی کر ڈالنے کے سارے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔

حدیث (۲۱)

(دین وایمان پر استقامت)

عَنِ أَبِيْ عَمْرٍو، وَقِيْلَ،أَبِيْ عَمْرَةَ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ - رضي الله عنه - قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ! قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلاَمِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرَكَ؟ قَالَ: «**قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ**». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابو عمرو سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتادیجئے جس کے بارے میں آپ کے سوا کسی اور سے نہ پوچھوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو“۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ صحابہ مفید سوالات کرنے کے بڑے حریص تھے، خصوصاً ایسے سوالات جن میں علم وعمل پایا جاتا ہے۔ محض علمی اور ذہنی لذت والے سوالات سے وہ دور رہا کرتے تھے، کیونکہ جس علم کے نتیجہ میں کوئی عمل نہ ہو وہ بیکار اور بے فائدہ ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "علم عمل کو آواز دیتا ہے اگر وہ پہنچا تو ٹھیک ورنہ علم رخصت ہو جاتا ہے"۔

۲۔ یہ بڑی جامع اور نفع بخش وصیت ہے۔ ایمان باللہ اور استقامت ایسی دو چیزیں ہیں جن میں پورا اسلام داخل ہے۔ ایمان تمام امور عقائدیہ اور اعمال قلبیہ کو محیط ہے۔ استقامت دائیں بائیں مڑے بغیر، ہر قسم کی کجروی اور انحراف سے بچ کر صراط مستقیم کو اپنانے، اس پر ثابت قدمی کے ساتھ چلتے رہنے، اور اس راہ میں آنے والی ہر مصیبت کو بخوشی برداشت کرنے کا نام ہے۔ دراصل استقامت ہر ظاہری وباطنی اطاعت کو شامل ہے۔

۳۔ قرآن وحدیث میں استقامت کا حکم کئی جگہ آیا ہے۔ استقامت اختیار کرنے والوں کو

خوشخبری سنائی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ﴾ [فصلت:٦] ”سو تم اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی چاہو“۔ نیز ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ [فصلت:٣٠] ”واقعی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوئے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی اندیشہ اور غم نہ کرو (بلکہ) اس جنت کی بشارت سن لو جس کا تم وعدہ دیئے گئے ہو“۔ نیز ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الأحقاف:١٣-١٤] ”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے یہ تو اہل جنت ہیں جو سدا اسی میں رہیں گے ان اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا» (مستدرک حاکم) استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز اس کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے۔

۴۔ **استقامت کے حصول کے لئے معاون اسباب** مندرجہ ذیل ہیں:

- خلوت وجلوت ہر حال میں اللہ کو یاد رکھے، اور اس کی نگرانی کا یقین دل میں بٹھائے۔
- نفس کی کوتاہی پر اس کا محاسبہ کرے، اور ہر غلطی کے بعد حق کی طرف رجوع ہو۔
- نفس کو اطاعت وفرماں برداری پر بزور آمادہ کرے، اور اسے نیکیوں کا عادی بنائے۔

یاد رہے کہ جسے ایمان واستقامت نصیب ہو گئی اسے دنیا وآخرت کی ہر سعادت حاصل ہو گئی۔

حدیث (۲۲)

(فرائض اور حلال وحرام کا التزام جنت میں جانے کا سبب)

عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ جَابِرِ بن عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيّ - رضي الله عنه - أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ - صلى الله عليه وسلم - فَقَالَ: أَرَأَيتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوبَاتِ، وَصُمْتُ رَمَضَانَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلاَلَ، وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَلَمْ أَزِدْ عَلَىٰ ذٰلِكَ شَيْئًا أَدْخُلُ الْجَنَّةَ ؟ قَالَ: «نَعَمْ». رواه مسلم.

ترجمہ:

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ مجھے بتلایئے اگر میں فرض صلاتوں کو ادا کروں، اور رمضان کا صوم رکھوں، اور حلال کو حلال سمجھوں، اور حرام کو حرام سمجھوں، اور اس پر کچھ اضافہ نہ کروں، کیا جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں"۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ حدیث میں ذکر کئے گئے اعمال دخول جنت کا سبب ہیں، ان کے سوا دیگر اسباب بھی موجود ہیں، لیکن سائل نے جس قدر سوال کیا تھا اسی کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا۔

۲۔ حدیث میں حج اور زکاۃ کا ذکر نہیں، ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ حج اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا، نیز سائل کی حالت سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ فقیر آدمی ہے اور زکاۃ کی استطاعت نہیں رکھتا۔

۳۔ فرض نمازوں کی بہت اہمیت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دخول جنت کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ہر مسلمان کو اس کا اہتمام اور اس کی پابندی ضروری ہے۔ صحیحین میں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے: ”جس نے دو ٹھنڈی صلاتیں (فجر وعصر) ادا کیں جنت میں داخل ہو گا“۔ نیز ارشاد ہے: ”جس نے ہر صلاۃ کو اس کے وقت پر ادا کیا اس کے لئے اللہ کے پاس یہ عہد ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا“۔ (ابو داود)

۴۔ صوم رمضان بھی دخول جنت کا ایک سبب ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ”بندہ کا ہر عمل خود اس کے لئے ہوتا ہے، ہر نیکی کا دس گنا ثواب ہوتا ہے، سوائے صوم کے کہ وہ میرے لئے ہے، اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا“۔ (متفق علیہ)

۵۔ "حلال کو حلال سمجھوں" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حلال مان کر اس پر عمل کروں لہذا اس میں واجب ومستحب اور مباح سب داخل ہے۔ "حرام کو حرام سمجھوں" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حرام مان کر اس سے دور رہوں۔ جس نے کسی حرام کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھا تو اگرچہ وہ اس کا ارتکاب نہ کرے پھر بھی کافر ہو جاتا ہے۔ یہی معاملہ کسی حلال کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھنے پر بھی ہے۔

۶۔ جس شخص نے کسی کمی بیشی کے بغیر فرائض کی ادائیگی کی اور محرمات سے اجتناب کیا وہ جنت میں داخل ہو گا۔

۷۔ جملہ انسانی اعمال یا تو دل سے کئے جاتے ہیں، یا دیگر جسمانی اعضاء سے، اور یا شریعت نے انھیں کرنے کی اجازت دی ہے، یا ان کے کرنے سے روکا ہے، جن کاموں کی اجازت دی گئی ہے انھیں حلال کہا جاتا ہے، اور جن کاموں سے روکا گیا ہے انھیں حرام کہا جاتا ہے، اس لحاظ سے حلال وحرام میں سارے کام داخل ہو جاتے ہیں۔ جو شخص حلال کو حلال سمجھ کر اپنائے، اور حرام کو حرام سمجھ کر دور رہے، گویا اس نے پورے دین پر عمل کر لیا؛ کیونکہ حلال وحرام سے باہر کوئی چیز نہیں۔

۸۔ جس شخص کو دینی مسائل معلوم نہ ہوں اسے علماء کرام سے دریافت کرنا چاہئے، اس میں شرم وحیا نقصان دہ اور قابل مذمت ہے۔

حدیث (۲۳)

(وضو، ذکر، نماز، صدقہ، صبر اور تلاوتِ قرآن کے فضائل)

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الحَارِثِ بنِ عَاصِمٍ الْأَشْعَرِيِّ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ، وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ - أَو تَمْلَأُ - مَا بَيْنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَو عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَو مُوبِقُهَا**». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”طہارت نصف ایمان ہے، اور الحمد للہ میزان کو بھر دے گا، اور سبحان اللہ اور الحمد للہ یہ دونوں آسمان وزمین کے درمیان (کی وسعتوں) کو بھر دیں گے، صلاۃ نور ہے، صدقہ دلیل ہے، صبر روشنی ہے، قرآن حجت ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف، ہر شخص صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو بیچ کر یا آزاد کرلیتا ہے یا ہلاک کرلیتا ہے“۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ بہت عظیم حدیث ہے، اسلام کی ایک بنیاد ہے اور دین کے بہت سے اہم قواعد پر مشتمل ہے۔

۲۔ طہارت کی بڑی فضیلت ہے۔ اسے نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔ شرک وبدعت اور گناہ ومعصیت سے نفس کی پاکی، اور غلاظت وگندگی سے بذریعہ غسل ووضو جسم کی پاکی، یعنی قلبی اور جسمانی دونوں قسم کی طہارت اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہے۔

۳۔ الحمد للہ اور سبحان اللہ کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرنے میں بے شمار اجر وثواب ہے؛ کیونکہ

الحمدللہ میں اللہ کے لئے تمام اوصاف کمال کا اثبات اور ہر ظاہری وباطنی نعمت پر شکر گذاری پائی جاتی ہے، اور سبحان اللہ میں ہر نقص وعیب اور مخلوق کی مشابہت سے تنزیہہ وتقدیس کا اعتراف ہے۔

۴۔ حدیث میں صلاۃ کو نور کہہ کر صلاۃ کی عظمت واہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ صلاۃ کے ذریعہ دل میں نور پیدا ہوتا ہے، چہرے پہ نور ہوتا ہے، قبر اور حشر ونشر میں نور ہوگا، پل صراط پر نور ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”جس نے صلاۃ کی پابندی کی اس کے لئے بروز قیامت نور ودلیل اور نجات ہوگی، اور جس نے صلاۃ کی پابندی نہیں کی اس کے لئے نہ ہی نور ہوگی، اور نہ ہی دلیل اور نجات“۔(مسند احمد)

۵۔ بہ رضاورغبت صدقہ وخیرات کرنا برہان ہے؛یعنی صدقہ دینے والے کے ایمان کی صداقت پر دلیل وبرہان ہے، کیونکہ اس نے اپنے رب کی رضاوخوشنودی کے لئے اپنا محبوب مال خرچ کیا۔ اس میں فرض زکاۃ بھی داخل ہے اور نفلی صدقات بھی۔ صدقہ وخیرات کی فضیلت میں بہ کثرت احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ”جس دن بھی بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! سمیٹ کر رکھنے والے کو بربادی عطا فرما“۔(متفق علیہ)

۶۔ صبر کو ضیاء کہا گیا ہے۔ ضیاء عربی میں سورج کی روشنی کو کہتے ہیں، جس میں ایک قسم کی تپش اور سوزش ہوتی ہے، چونکہ صبر میں بھی نفس پر مشقت اور گرانی ہوتی ہے، اور نفس کی مرضی اور خواہش کے خلاف جبر کرنا ہوتا ہے، اس لئے اسے ضیاء سے تعبیر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے، اور صبر کرنے والے کو بے حساب اجر وثواب دینے اور جنت کی نعمتیں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔

صبر کی تین قسمیں ہیں: ا۔ اللہ کی اطاعت پر صبر، ۲۔ اللہ کی معصیت سے صبر ۳۔ اللہ کی قضاوقدر پر صبر۔

اللہ کی اطاعت پر صبر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اللہ کے احکام کی پابندی پر اس طرح لگا دے کہ اطاعت گراں نہ گزرے۔

اللہ کی معصیت سے صبر یہ ہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر اپنے آپ کو گناہوں اور نافرمانیوں سے باز رکھے۔

قضاو قدر پر صبر یہ ہے کہ جان ومال اور اہل وعیال میں کیسی بھی مصیبت پڑے، نہ ہی دل میں کسی طرح اللہ کی تقدیر پر غصہ اور شکایت آنے دے، اور نہ ہی ہاتھ یا زبان سے کوئی ایسی حرکت کرے جس سے تقدیر پر ناراضگی کا پتہ چلتا ہو، اور اس بات کا یقین رکھے کہ جو مصیبت اس پر آپڑی ہے ٹل نہیں سکتی تھی، اور جو مصیبت ٹل گئی ہے پڑ نہیں سکتی تھی، اور اللہ سے اجر وثواب کی امید رکھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ”مومن کا معاملہ عجیب ہے اس کی ہر ہر حالت میں خیر ہے، اور یہ بھلائی صرف مومن کو حاصل ہے۔ اگر اسے نعمت ملتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے حق میں بہتر ہے، اور اگر مصیبت پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، اور یہ اس کے حق میں بہتر ہے“۔(مسلم)

۷۔ قرآن پاک اپنے عامل اور متبع کے لئے حجت ہے، قیامت کے دن اس کے لئے سفارشی بن کے آئے گا، لیکن اپنے سے منہ موڑنے والے اور عمل نہ کرنے والے کے خلاف حجت ہے، اسے جہنم کی طرف لے جائے گا۔ سلف صالحین میں سے کسی کا قول ہے: "جو بھی قرآن مجید کے ساتھ بیٹھا یا تو نفع لے کے اٹھا یا خسارہ کر کے اٹھا"۔ ارشاد باری ہے:﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ ٱلْقُرْءَانِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۙ وَلَا يَزِيدُ ٱلظَّـٰلِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴾[الاسراء:۸۲]

” یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کے لئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے، ہاں ظالموں کو بجز نقصان کے اور کوئی زیادتی نہیں ہوتی“۔

۸۔ سارے لوگ صبح کر کے محنت ومشقت میں لگ جاتے ہیں، لیکن کسی کی مشقت اسے

ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے، اور کسی کی مشقت اسے نجات کی طرف لے جاتی ہے۔ جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق کدوکاوش کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچالیتا ہے، اور جو شخص اس کے برخلاف شیطانی راہوں پر گامزن ہوتا ہے، اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے، وہ ذلیل ہوکر ہلاکت میں جاپڑتا ہے۔

حدیث (۲۴)

(ظلم کی حرمت اور توحید کی حقیقت)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الغِفَارِي - رضي الله عنه - عَنِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّهُ قَالَ: «يَا عِبَادِيْ! إِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَىٰ نَفْسِيْ، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوْا، يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ، فَاسْتَهْدُوْنِي أَهْدِكُمْ، يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ، يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُوْنِيْ أَكْسُكُمْ، يَا عِبَادِيْ! إِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ أَغْفِرْ لَكُمْ، يَا عِبَادِيْ! إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ، يَا عِبَادِيْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوْا عَلَىٰ أَتْقَىٰ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ، مَا زَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا. يَا عِبَادِيْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوْا عَلَىٰ أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا، يَا عِبَادِيْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُوْنِيْ، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَا عِبَادِيْ! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ إِيَّاهَا؛ فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا: ”اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے، اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم

سب گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں، سو مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمھیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں کھانا کھلاؤں، پس مجھ سے کھانا مانگو میں تمھیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں، پس مجھ سے لباس مانگو میں تمھیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب شب وروز خطائیں کرتے ہو، اور میں تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، پس مجھ سے بخشش مانگو میں تم کو بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب کی رسائی مجھے ضرر پہنچانے تک نہیں ہو سکتی کہ تم مجھے ضرر پہنچادو، اور نہ ہی تمھاری رسائی مجھے نفع پہنچانے تک ہو سکتی ہے کہ تم مجھے نفع پہنچادو۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے کے لوگ اور تمھارے آخر کے لوگ، اور تمھارے انسان اور تمھارے جنّات، تم میں سب سے زیادہ متقی شخص کے دل جیسے ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں کچھ اضافہ نہ کرے گا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے کے لوگ اور تمھارے آخر کے لوگ، اور تمھارے انسان اور تمھارے جنّات، تم میں سب سے زیادہ فاجر شخص کے دل جیسے ہو جائیں تو یہ میری سلطنت میں کچھ کمی نہ کرے گا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے کے لوگ اور تمھارے آخر کے لوگ، اور تمھارے انسان اور تمھارے جنّات، ایک کھلے میدان میں کھڑے ہو جائیں، اور سب مجھ سے سوال کریں، اور میں ہر انسان کو اس کا سوال دے دوں، تو اس سے میرے خزانوں میں کوئی کمی نہ ہو گی، سوائے ایسے جیسے ایک سوئی سمندر میں ڈبونے کے بعد کم کر دیا کرتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جنھیں میں تمھارے لئے شمار کر کے رکھتا ہوں، پھر تم کو اس کا بدلہ دیتا ہوں، پس جو بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد بیان کرے، اور جو اس کے سوا کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کی ملامت کرے»۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث حدیث قدسی کہلاتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے روایت کر رہے ہیں۔ یہ بہت اہم اور عظمت والی حدیث ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کر لیا ہے؛ کیونکہ وہ مکمل عدل وانصاف والا

ہے، اس کے عدل میں کوئی کمی نہیں ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾ [النساء: ۴۰] ”بے شک اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا“۔ نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴾ [طٰہٰ: ۱۱۲]
”اور جو نیک اعمال کرے اور ایمان دار بھی ہو، تو نہ اسے بے انصافی کا کھٹکا ہوگا، نہ حق تلفی کا“۔

اللہ تعالیٰ نے قدرت کے باوجود بندوں پر ظلم وزیادتی کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے یہ اس کا بہت بڑا فضل واحسان ہے۔

۳۔ ظلم کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ بندہ خود اپنی جان پر ظلم کرے، اور وہ یہ کہ شرک کا ارتکاب کرے جو سب سے بڑا ظلم ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾ [لقمان: ۱۳] ”یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے“ یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ﴾ [الطلاق: ۱] ”جو اللہ کے حدود سے تجاوز کرتا ہے یقیناً اس نے اپنی جان پر ظلم کیا“۔

ظلم کی دوسری صورت یہ ہے کہ بندہ دوسرے پر ظلم وزیادتی کرے اور یہ بھی حرام اور بہت بڑا گناہ ہے۔

۴۔ بندوں پر باہم ظلم وزیادتی حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا: ”تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزت وآبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہے جس طرح اس شہر (مکہ) میں اس مہینہ (ذوالحجہ) میں آج کے دن (عرفہ) کی حرمت ہے“۔ (متفق علیہ) نیز ارشاد ہے: ”ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت میں ہوگا“۔ (متفق علیہ) نیز ارشاد ہے: ”جس نے اپنے بھائی پر کوئی زیادتی کی ہو تو اس سے معاف کروالے، کیونکہ وہاں (بروز قیامت) درہم ودینار نہیں ہوگا، اور اس کی نیکیاں اس سے لے کر اس کے بھائی کو دے دی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے بھائی کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے“۔ (بخاری)

۵۔ اللہ سے ہدایت طلب کرنا ضروری ہے، اسی لئے ہر صلاۃ کی ہر رکعت میں ﴿ ٱهۡدِنَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلۡمُسۡتَقِيمَ ﴾ کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رات کی دعا میں پڑھا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ». (صحیح مسلم) ”اے اللہ! جبرائیل ومیکائیل واسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غائب وحاضر کے جاننے والے، اپنے بندوں کے اختلافی امور میں تو ہی فیصلے کرتا ہے، اختلافی امور میں اپنے حکم سے مجھے حق کی ہدایت نصیب فرما۔ بے شک تو ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت نصیب فرماتا ہے“۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا اس طرح مروی ہے: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْهُدَىٰ، وَالتُّقَىٰ، وَالْعَفَافَ، وَالْغِنَىٰ»۔(صحیح مسلم) ”اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقوی، پاکدامنی اور بے نیازی کا سوال کرتا ہوں“۔

صحیح مسلم میں طارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے صلاۃ کی تعلیم دیتے، پھر اسے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیتے: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وَاهْدِنِي، وَعَافِنِي، وَارْزُقْنِي»۔ ”اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت دے، مجھے عافیت دے، اور مجھے رزق عطا فرما“۔

۶۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اپنے دین ودنیا کی تمام ضرورتوں کا سوال اللہ ہی سے کرے۔ جیسے بندہ اللہ سے ہدایت ومغفرت کا سوال کرتا ہے ویسے ہی کھانے، پینے اور پہننے کی چیزیں بھی اسی سے مانگے۔ ایک اور حدیث میں ہے: ”تم میں سے ہر کوئی اپنی ہر ضرورت اپنے رب ہی سے مانگے، حتی کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جانے پر وہ بھی اسی سے مانگے“۔(صحیح ابن حبان)

۷۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے، اسی کے ہاتھ میں رزق کے خزانے اور اس کی کنجیاں ہیں۔ ارشاد مولا ہے: ﴿ فَٱبۡتَغُواْ عِندَ ٱللَّهِ ٱلرِّزۡقَ وَٱعۡبُدُوهُ ﴾[العنكبوت:۱۷] ”تم اللہ ہی سے روزیاں طلب کرو، اور اسی کی عبادت کرو“۔ اس لئے جب بھی بندۂ مومن کو تنگدستی کا سامنا ہوتا ہے، یا وہ

فقر ومحتاجی میں گھر جاتا ہے، تو وہ لوگوں سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے کے بجائے اپنے رب کے سامنے اپنی حاجتیں رکھتا ہے، اسی سے لولگاتا، اور اسی کے فضل وکرم کا طالب ہوتا ہے۔

۸۔ آدم کے بیٹے صبح وشام خطائیں کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اللہ کی جانب سے عفو ومغفرت کا مژدہ ہے، بشرطیکہ بندہ اس سے مغفرت کا طالب ہو، حالانکہ بہت سارا فضل وکرم طلب مغفرت کے بغیر بھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو ختم کرکے ایک ایسی قوم لائے گا جو گناہ کریں گے، پھر اپنے رب سے مغفرت کے طالب ہوں گے، اور اللہ ان کی بخشش فرمائے گا“۔(مسلم)

۹۔ سچی توبہ اور استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بندہ کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے، ان کی کمیت وکیفیت جیسی ہی ہو۔ تفصیل حدیث (۴۲) میں آرہی ہے۔

۱۰۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے نیاز ہے، اسے اطاعت گذاروں کی اطاعت سے نہ کوئی نفع پہنچتا اور نہ معصیت کاروں کی معصیت سے کوئی ضرر پہنچتا ہے۔ اللہ کا ایک نام غنی (بے نیاز) اور دوسرا نام حمید (قابل تعریف) ہے۔

۱۱۔ حدیث سے اللہ کی قدرت وسلطنت اور بے نیازی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بیک وقت وبیک مقام سارے انسان وجنات کو ان کی مانگی ہوئی مرادیں عطا کردے، تب بھی اس کے خزانے ختم نہیں ہوں گے، بلکہ خرچ کرنے سے کم بھی نہ ہوں گے۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے عمل گن گن کے رکھتا ہے، اور انھیں اس کا بھرپور بدلہ دے گا، اگر عمل خیر ہے تو اس کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا بڑھا کر عطا فرمائے گا، لیکن اگر عمل بد رہا تو اس جیسا ہی بدلہ ملے گا، زیادتی نہ ہوگی، البتہ اگر اللہ چاہے گا تو اسے بھی معاف کردے گا۔

۱۳۔ نیکیوں کی توفیق اور عمل خیر کی آسانی ایک نعمت ہے جس پر بندہ کو اللہ کا شکر گذار ہونا چاہئے۔

۱۴۔ نافرمان کے لئے ایک دن ایسا آنے والا ہے جب وہ اپنے آپ کی ملامت کرے گا،

لیکن اس دن ندامت وملامت کا کوئی فائدہ نہ ہو گا؛ کیونکہ وقت گذر چکا ہو گا، آج دنیا میں مہلت ہے کہ انسان اپنے گناہوں سے باز آجائے اور اللہ کی طرف رجوع کرلے۔

حدیث (۲۵)

(صدقہ کا مفہوم اور اس کی مختلف صورتیں)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ -رضي الله عنه- أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالُوا لِلنَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم -: يَارَسُولَ اللهِ! ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ، يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ، وَيَتَصَدَّقُوْنَ بِفُضُوْلِ أَمْوَالِهِمْ، قَالَ: «**أَوَ لَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَا تَصَّدَّقُوْنَ بِهِ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ، وَفِيْ بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ**». قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَيَأْتِيْ أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُوْنُ لَهُ فِيْهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: «**أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيْهَا وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ترجمہ:

ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دولت مند لوگ سارا ثواب لے گئے، وہ صلاۃ پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، وہ صوم رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں، اس پر مزید وہ اپنے فاضل مالوں میں سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا اللہ نے بعض اعمال ایسے نہ بنائے ہیں جن کے ذریعہ تم صدقہ کرو، ہر سبحان اللہ ایک صدقہ ہے، ہر اللہ اکبر ایک صدقہ ہے، ہر الحمدللہ ایک صدقہ ہے، ہر لا الہ الا اللہ ایک صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے منع کرنا صدقہ ہے، اور تمھاری شرمگاہ (کے حلال استعمال کرنے) میں صدقہ ہے"۔ لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے اور اس میں بھی اجر پاتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے بتلاؤ اگر وہ اسے حرام میں استعمال کرتا تو اس پر گناہ ہوتا؟

ایسے ہی جب اس نے اسے حلال میں استعمال کیا تو اس کے لئے ثواب ہے‘‘۔(اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور آگے بڑھنے کا شدید جذبہ موجود تھا،اسی لئے جب غریب مہاجرین نے دیکھا کہ مالدار لوگ صدقہ وخیرات کرلینے کی وجہ سے ان سے آگے بڑھ گئے،توانھوں نے بھی اس بلند مقام کو پانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا،چنانچہ آپ نے ان کو ایسے صدقات کی رہنمائی کی جس کی وہ استطاعت رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بتلایا کہ اللہ کا ذکر صدقہ کے قائم مقام ہے۔

۲۔ ایک مسلمان کے لئے اپنے مسلمان بھائی کو ملی ہوئی نعمت کے پانے کی تمنا کرنا جائز ہے، جیسا کہ غریب صحابہ نے مالدار صحابہ پر رشک کیا،لیکن اس نعمت کے چھن جانے کی تمنا کرنا حسد ہے اور حرام ہے۔

۳۔ درحقیقت نیکیاں ہی مقابلہ کا کشادہ میدان ہیں۔ اہل ایمان دنیاوی ترقیوں،مال ودولت،بلند عمارتوں اور زیب وزینت میں مقابلہ کرنے کے بجائے اعمال خیر میں مقابلہ کیا کرتے ہیں۔

۴۔ تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر اللہ کا بہترین ذکر ہیں اور صدقہ کے قائم مقام ہیں۔ ذکر کے بعض فضائل حدیث(۲۳)میں گذر چکے ہیں۔

۵۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ایک صدقہ ہے۔ معروف وہ ہے جو شریعت میں معروف ہو،اور شریعت نے اسے باقی وثابت رکھا ہو۔ منکر وہ ہے جس کا شریعت نے انکار کیا ہو،اور اسے باقی وثابت نہ رکھا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی وہ عمل ہے جس کی بنا پر اس امت کو اللہ تعالی نے خیر امت کہا ہے: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

ٱلْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ ﴾[آل عمران:١١٠] "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو"۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنا لعنت کا باعث ہے: ﴿ لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعْتَدُونَ كَانُواْ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُواْ يَفْعَلُونَ ﴾ [المائدۃ:٧٨ – ٧٩] "بنی اسرائیل کے کافروں پر داود علیہ السلام اور عیسی بن مریم علیہ السلام کی زبانی لعنت کی گئی، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے، اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے، آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے، جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم میں سے جو کوئی کسی منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"۔ (مسلم)

ایک شخص جو خود کسی عملی کوتاہی میں مبتلا ہے کیا وہ کسی دوسرے کو بھلائی کا حکم دے سکتا اور برائی سے روک سکتا ہے؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب یہ ہے کہ ہر بندے پر دو چیزیں فرض ہیں: ایک خود اپنے نفس کو بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، اور دوسرا فرض دوسروں کو بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، اگر کسی بندے سے ایک حکم کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہو تو اسے دوسرے حکم کی ادائیگی ضرور کرنی چاہئے، تاکہ اس پر دوہرا گناہ اکٹھا نہ ہو۔ البتہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اکمل وافضل طریقہ بہر صورت یہی ہے کہ انسان جن باتوں کا دوسروں کو حکم دے رہا ہے پہلے خود ان پر عمل پیرا ہو، اور جن باتوں سے روک رہا ہے خود بھی ان سے پرہیز کرتا ہو۔

٦۔ بیوی کے پاس جانا اور اس سے ہمبستری کرنا صدقہ ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ اس سے اپنی اور اپنی بیوی کی شرمگاہوں کی حفاظت، عفت وپاکدامنی اور صالح اولاد کا حصول مقصود ہو، جن کی تعلیم وتربیت اللہ کی مرضی کے مطابق کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل میں نیک نیتی

کی بڑی اہمیت ہے۔

۷۔ حلال کو اختیار کرنا تاکہ حرام سے بچا جاسکے باعث اجر و ثواب ہے۔ واضح رہے کہ حلال میں ان تمام حرام چیزوں کا پاکیزہ بدل موجود ہے جن کی طرف انسان کی طبیعت مائل ہوتی ہے، اگر کوئی چاہے تو حلال کو اپنا کر حرام سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ کیا ہی عمدہ دعا ہے: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ» ''اے اللہ! اپنے حرام سے بچا کر اپنا حلال میرے لئے کافی کر دے، اور اپنے فضل کے ذریعہ اپنے سوا دوسروں سے مجھے بے نیاز کر دے''۔

۸۔ خیر اور نیکی کے راستے بہت سے ہیں، اگر کسی کو کسی خاص نیکی کی استطاعت نہیں ہے تو نیکی کا دوسرا دروازہ اس کے لئے کھلا ہوا ہے، جو غریب ہونے کی بنا پر صدقہ و خیرات نہیں کر سکتا وہ اللہ کا ذکر بہ آسانی کر سکتا ہے۔

حدیث (۲٦)

(ہر نیکی صدقہ ہے)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رضي الله عنه- قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**كُلُّ سُلَامَىٰ مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَومٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ**،- قال: **تَعْدِلُ بَيْنَ الاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِيْنُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَو تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ**، -قال: **وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيْهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيْطُ الْأَذَىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ**». رواه البخاري ومسلم.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر دن جس میں سورج نکلتا ہے انسان کے جسم کے ہر ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہوتا ہے“۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔ پیدل کو اپنی سواری پر سوار کرلینا یا اس کا سامان اپنی سواری پر لادلینا صدقہ ہے“، نیز فرمایا: ”پاکیزہ کلام صدقہ ہے۔ صلاۃ کے لئے اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹادینا صدقہ ہے“۔ (اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ ہر صبح انسان کے بدن کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، اور پھر مختلف اعمال خیر اس صدقہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں اسی حدیث کے اندر یہ زیادتی موجود ہے: ”ضحی (چاشت) کے وقت کی دو رکعتیں پڑھ لینا ان سب کی طرف سے کافی ہے“۔

۲۔ بدن کی ہڈیاں اور اس کے جوڑ اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کے شکریہ میں ہر ہر جوڑ پر ایک صدقہ واجب ہوتا ہے۔

۳۔ اختلاف رکھنے والوں کے درمیان عدل وانصاف کا فیصلہ کردینے اور ان میں اصلاح کرادینے کی بڑی فضیلت ہے، یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ [الانفال:۱] ”سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو“۔

اصلاح کے لئے زبان وبیان، دست وبازو، مال ودولت اور جاہ وحشمت کی ہر ممکن طاقت استعمال کرنی چاہئے؛ کیونکہ باہمی اختلافات معاشرے کا زخم ہیں، اگر ان پر اصلاح کا مرہم نہیں رکھا گیا تو وہ بڑھ کر ناسور ہو جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں کے درمیان اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنے تک کی اجازت دی گئی ہے۔

۴۔ کسی مسلمان کو اپنی سواری پر سوار کرلینا یا اس کا ساز وسامان سواری پر رکھ لینا بھی صدقہ ہے۔

۵۔ اس حدیث میں مسلمانوں کو باہمی تعاون کی فضا بنانے کی دعوت دی گئی ہے، اور آپس میں حسن سلوک اور بھائی چارگی کے معاملے کو فروغ دینے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

۶۔ پاکیزہ کلمہ صدقہ ہے۔ تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب پاکیزہ کلمات میں داخل ہیں۔ ایسے ہی ضرورت مندوں کی سفارش، حق گوئی، لوگوں کی اصلاح، اور باہمی الفت ومحبت کی باتیں بھی عمدہ پاکیزہ کلمات میں سے ہیں۔

۷۔ مسجد کی طرف اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ اس سلسلہ میں کئی احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ”جو شخص صبح یا شام کو مسجد جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں سامان ضیافت تیار کرکے رکھتا ہے جب جب وہ مسجد میں صبح یا شام کو جاتا ہے“۔ (بخاری) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا: ”کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو مٹاتا اور درجات کو بلند کرتا ہے؟ صحابہ نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: طبیعت پر

شاق گذرنے کے وقت مکمل وضو کرنا، مسجدوں کی طرف زیادہ سے زیادہ قدم اٹھانا، ایک صلاۃ کے بعد دوسری صلاۃ کا انتظار کرنا، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے"۔ (مسلم) رباط کا مفہوم ہے: اسلامی سرحدوں کی پہرہ داری، جس کے فضائل کی بڑی کثرت اور شہرت ہے۔

نیز ارشاد ہے: "صلاۃ میں سب سے زیادہ ثواب اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو سب سے زیادہ دوری سے چل کے آتا ہے، پھر وہ جو اس سے کم، پھر وہ جو اس سے کم دوری سے چل کے آتا ہے"۔ (متفق علیہ)

۸۔ راستہ سے تکلیف دہ چیزوں؛ جیسے پتھر، یا کانٹے، یا گندگی، یا شیشہ وغیرہ کا ہٹا دینا- جس سے چلنے اور گذرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے -صدقہ ہے۔ اس سے صفائی ستھرائی کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا صدقہ کے برابر ہے تو ظاہر ہے کہ راستہ میں تکلیف دہ چیزوں کا پھینکنا گناہ اور جرم ہوگا۔ اگر اس نبوی تعلیم کو اپنا لیا جائے تو مسلمانوں کی بستیاں مثالی بستیاں بن سکتی ہیں۔

حدیث (۲۷)

(نیکی اور گناہ کی علامت)

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ - رضي الله عنهما - عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «**اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ**». رواه مسلم.

وعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ - رضى الله تعالى عنه - قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - فَقَالَ: «**جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟**» قُلْتُ: نَعَمْ ؛ قَالَ: «**اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ؛ اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ، وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ، وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ، وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ**».

قال الشيخ - رحمه الله - حديث حسن، رويناه في مسندي الإمام أحمد بن حنبل، و الدارمي بإسناد حسن .

ترجمہ:

نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ”نیکی حسن اخلاق کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے اور اس پر لوگوں کا مطلع ہونا تمھیں ناگوار ہو“۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

اور وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا: ”تم نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کرنے آئے ہو؟“ میں نے کہا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر نفس مطمئن ہو اور جس پر دل پُرسکون ہو، اور گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور سینہ میں تردد پیدا کرے، اگرچہ لوگ تمھیں فتوی دیں، اگرچہ لوگ تمھیں فتوی دیں“۔ (حدیث حسن ہے۔ مسند امام احمد اور مسند امام دارمی میں بہ

سند حسن مروی ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ حسن اخلاق بڑی فضیلت والی چیز ہے کہ اسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیکی قرار دیا۔ حسن اخلاق میں وہ تمام فضائل ومکارم داخل ہیں جن کی طرف قرآن عظیم نے دعوت دی ہے، اور جن کو اپنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جیسا معاملہ اللہ کے ساتھ تھا اور جیسا کچھ اللہ کے بندوں کے ساتھ تھا وہی اخلاق کا اعلی نمونہ ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے سب سے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

۲۔ گناہ کا پیمانہ یہ ہے کہ اس سے دل میں تنگی وبے چینی اور قلق واضطراب پیدا ہوتا ہے، اس کے برخلاف نیکی پر انسان کا ضمیر مطمئن اور اس کا دل پرسکون ہوتا ہے۔

۳۔ مومن کو ہمیشہ اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس کے عیوب کی اطلاع نہ ہو، اس کے برخلاف فاسق وفاجر لاپرواہ ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات جرأت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ لوگوں کے سامنے علانیہ جرائم کرتا ہے، اور ان کی تنقید وعیب گیری سے اس کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں پڑتا، اور بعض کی ڈھٹائی، بدبختی وبے حیائی تو یہاں تک جا پہنچتی ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر فخر کرتے ہیں۔

۴۔ آدمی شبہہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ایسے کام کرے جو شک سے پاک ہوں، شبہات میں پڑنے سے انسان حرام میں بھی جا پڑتا ہے۔

۵۔ جس عمل کے مباح وجائز ہونے کی شرعی دلیل موجود ہو تو دل مطمئن ہو یا نہ ہو دلیل پر چلنا ضروری ہے؛ کیونکہ دل کی بے قراری کے اسباب شبہ کے سوا کچھ اور بھی ہوسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر سفر میں صوم توڑنے اور چار رکعتوں والی صلاتوں کو دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت ہے، بسا اوقات لوگوں کا دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا، لیکن چونکہ شرعی دلیل واضح طور پر موجود ہے اس لئے اپنے نفس کی مخالفت کرکے اتباع دلیل واجب ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کعبہ پہنچنے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو قربانی کرلینے اور احرام کھول دینے کا حکم فرمایا، صحابہ کو ناگوار ہوا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس پر عمل کیا، اور ان کے لئے اسی میں ہر طرح کی بھلائی اور سعادت پنہاں تھی۔

٦۔ حدیث سے دل کا مقام ومرتبہ واضح ہوتا ہے۔ اگر دل کے اندر ایمان واستقامت جاگزیں اور پختہ ہوجائے تو شبہات کے مواقع پر اس کا فیصلہ درست ہوتا ہے، اور نیکی وبدی میں اس کے فیصلہ سے تمیز کی جاسکتی ہے۔

حدیث (۲۸)

(سنّت کی اتباع ضروری ہے)

عَن أَبِي نَجِيحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ - رضي الله عنه - قَالَ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم – مَوعِظَةً بَلِيْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ. فَقُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا، قَالَ: «**أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا؛ فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**». رواه أبو داود والترمذي وقال: حديث حسن صحيح.

ترجمہ:

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسا بلیغ وعظ فرمایا جس سے دل دہل گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! گویا یہ رخصت کرنے والے کا وعظ ہے، پس آپ ہمیں وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا: ”میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، اور سننے اور ماننے کی، اگرچہ کوئی حبشی غلام تم پر امیر بن جائے۔ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا، اس وقت تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لینا، اس کو مضبوطی سے تھام لینا، اور اسے داڑھوں سے خوب جکڑ لینا، اور اپنے آپ کو نئی ایجاد کردہ باتوں سے دور رکھنا، کیونکہ ہر ایجاد کی ہوئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے“۔ (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے ،اور (ترمذی نے) اسے حسن صحیح قرار دیا ہے)۔

فوائد واحکام:

ا۔ یہ حدیث چار اہم وصیتوں پر مشتمل ہے: ا۔ اللہ سے ڈرنا ۲۔ بات سننا اور ماننا ۳۔ سنت کو مضبوطی سے تھامنا ۴۔ بدعتوں سے دور رہنا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے، لیکن روزانہ نہیں بلکہ ناغہ کے ساتھ؛ کیونکہ روز روز کی نصیحت اکتاہٹ کا باعث ہوتی ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اکتاہٹ کے اندیشے سے ہمیں ناغہ دے کر وعظ کیا کرتے تھے“۔ (متفق علیہ)

۳۔ وعظ ونصیحت جس قدر بلیغ اور موثر انداز میں ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ دل دہلا دینے والی اور آنکھوں کو اشکبار کر دینے والی چیزوں کے تذکرے سے وعظ کی تاثیر بڑھ جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ وتقریر کی کیفیت بیان کرتے ہوئے جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی تقریر میں قیامت کا ذکر کرتے تو آپ کا غصہ بڑھ جاتا، آواز بلند ہو جاتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں، گویا آپ کسی لشکر سے ڈرارہے ہیں کہ وہ صبح یا شام کو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے“۔ (مسلم)

واعظین کو وعظ کے لئے ایسی آیات اور احادیث کا انتخاب مناسب ہے جن کا سامعین پر اثر پڑتا ہے، اور جن سے دلوں پر رقت طاری ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے جھوٹی اور ضعیف احادیث، بے ثبوت خوابوں اور قصے کہانیوں کا سہارا لینے کی مطلقاً ضرورت نہیں، کیونکہ قرآن مجید اور صحیح احادیث میں جو کچھ ہے بہت کافی ہے۔ دراصل جو شخص اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانے میں مخلص ہوتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والے موثر اسلوب سے نواز دیتا ہے، اور یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے جتنا عطا کرے۔

۴۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتوں کے بڑے حریص تھے۔

احادیث میں اس کی بہت ساری مثالیں پائی جاتی ہیں: ایک تو یہی حدیث ہے کہ صحابہ نے کہا: آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ ایک حدیث گذر چکی ہے کہ ایک صحابی نے کہا: مجھے کوئی وصیت کیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا: "غصہ نہ کیا کرو"۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک صحابی سفر پہ جارہے تھے تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وصیت چاہی، تو آپ نے فرمایا: "میں تمھیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور ہر بلند مقام پر اللہ کی تکبیر بلند کرنے کی وصیت کرتا ہوں"۔(ترمذی، ابن ماجہ)

۵۔ حدیث سے تقویٰ اور اس کی وصیت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ کے عذاب سے بچاؤ کا سامان کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اگلوں اور پچھلوں کو تقویٰ ہی کی وصیت کی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ﴾[النساء:۱۳۱] "اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم کیاہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو"۔

۶۔ مسلمان حاکموں کی سمع وطاعت واجب ہے، سوائے اس صورت کے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں۔ کتاب وسنت کے بہت سے نصوص اس پر دال ہیں۔ ارشاد باری ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[النساء:۵۹] "اے ایمان والو! فرماں برداری کرو اللہ تعالی کی، اور فرماں برداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور تم میں سے اختیار والوں کی"۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: "ظاہر یہی ہے کہ یہ آیت علماء اور حکام دونوں طرح کے اختیار والوں اور ذمہ داروں کو شامل ہے۔ واللہ اعلم"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مسلمان آدمی پر اپنی پسند وناپسند سب میں سمع وطاعت واجب ہے، سوائے اس صورت کے کہ نافرمانی کا حکم دیا جائے، اگر اسے نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر سمع وطاعت نہیں ہے"۔(متفق علیہ)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنو اور بات مانو اگرچہ تمھارے اوپر ایسا حبشی غلام

امیر متعین کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح ہو"۔(بخاری)

۷۔ اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے، خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت درست نہیں۔ یہیں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو لوگ خلاف شریعت امور میں بھی اپنے علماء اور حکام کی اطاعت کرتے ہیں، جیسے صوفیاء حضرات مریدوں سے کہتے ہیں کہ پیر کی کسی بات پر اعتراض درست نہیں، پیر و مرشد کی مخالفت صحیح نہیں، گرچہ اس کا عمل صریح گناہ معلوم ہو رہا ہو، ان کا کہنا ہے: بے سجادہ رنگیں کن اگر پیر مغاں گوید۔ ایسے ہی وہ مقلدین بھی کھلی غلطی پر ہیں جو تعصب کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف اور صریح حدیث کے ہوتے ہوئے اپنے امام اور اپنے مذہب کی بات آگے رکھتے ہیں۔

۸۔ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک نشانی اور معجزہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے اختلاف کی جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خبر دار! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور یہ ملت عنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، بہتر (۷۲) جہنم میں جائیں گے صرف ایک جنت میں جائے گی اور وہ جماعت ہے"۔(صحیح الجامع ۲۶۳۸)

مستدرک حاکم اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نجات یافتہ جماعت سے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"آج جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں، اس طریقہ کو اختیار کرنے والی جماعت نجات یافتہ ہوگی"۔

۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنا اتحاد کا راستہ اور اختلاف و تفرقہ بازی سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ صرف مضبوطی سے تھامنا نہیں، بلکہ خوب خوب مضبوطی سے تھامنا جیسے داڑھوں سے کوئی چیز مضبوط پکڑی جاتی ہے، تاکہ

بدعات وہوائے نفس میں مبتلا ہو کر آدمی ان راہوں پہ نہ چلا جائے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کی روش سے مختلف ہیں۔

۱۰۔ حدیث میں بدعتوں سے تحذیر وتنبیہ کی گئی ہے جس کے متعلق تفصیل حدیث (۵) میں گذر چکی ہے۔

حدیث (۲۹)

(خیر و بھلائی کے دروازے)

عَن مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ - رضي الله عنه - قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ، قَالَ: «**لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيْمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلَىٰ مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ: تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ البَيْتَ**». ثُمَّ قَالَ: «**أَلَا أَدُلُّكَ عَلَىٰ أَبْوَابِ الْخَيْرِ: اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ**»، قَالَ: ثُمَّ تَلَا: ﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ ٱلْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ ﴾ حَتَّىٰ بَلَغَ: ﴿ يَعْمَلُونَ ﴾ **[السجدة:١٦-١٧]** ثُمَّ قَالَ: «**أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ كُلِّـهِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟**» قُلْتُ: بَلَىٰ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «**رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ**»، ثُمَّ قَالَ: «**أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ ؟**» قُلْتُ:بَلَىٰ يَارَسُولَ اللهِ! فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ وَقَالَ: «**كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا**». فَقُلْتُ يَانَبِيَّ اللهِ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: «**ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَامُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ - أَو قَالَ -: عَلَىٰ مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ**». رواه الترمذي وقال: حديث حسن صحيح.

ترجمہ:

معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا:

”تم نے مجھ سے بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے، البتہ وہ اس شخص کے لئے آسان ہے جس پر اللہ آسان کردے، تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرو، صلاۃ کی پابندی کرو،

زکاۃ کو ادا کرو، رمضان کا صوم رکھو، بیت اللہ کا حج کرو"۔ پھر فرمایا: "کیا میں تمھیں خیر کے دروازے نہ بتلادوں: صوم ڈھال ہے، اور صدقہ گناہوں کو اسی طرح مٹادیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھادیتا ہے، اور رات کی تنہائی میں آدمی کی صلاۃ"۔ پھر آپ نے (سورہ سجدہ کی آیت ۱۶-۱۷) تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ ٱلْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ سے يَعْمَلُونَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: "میں تمھیں پورے معاملہ کے سرے، اس کے ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی کی خبر نہ دوں؟" میں نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا: "معاملہ کا سرا اسلام ہے، اور اس کا ستون صلاۃ ہے، اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے"۔ پھر فرمایا: "کیا میں تم کو ان سب کے اصل کی خبر نہ دوں؟" میں نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنی زبان پکڑ کے ارشاد فرمایا: "اس کو اپنے اوپر روکے رکھو"۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا ہم اُس پر بھی پکڑے جائیں گے جو ہم بولتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "تمھاری ماں تمھیں گم کرے، آخر لوگوں کو جہنم میں ان کے منہ کے بل–یا فرمایا: – ان کے نرخروں کے بل ان کی زبانوں کا کیا ہی تو گرائے گا"۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات کیا کرتے تھے جو ان کے لئے دینی طور پر مفید ہوتے تھے، جس سے جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ آج لوگوں کا حال یہ ہے کہ لایعنی سوالات کرتے ہیں، کبھی عالم کو آزمانے کے لئے، اور کبھی اپنا علم دکھلانے کے لئے۔ اللہ ہمیں نیک توفیق دے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی کی، ان کا شوق بڑھایا، اور ان کے سوال کی تعریف کی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیز کا سوال جس سے آدمی جنت پا جائے اور جہنم سے بچ جائے بہت عظیم سوال ہے۔ اسی سوال کا جواب دینے کے لئے تو سارے انبیاء آئے اور ساری کتابیں نازل کی گئیں۔

۳۔ توفیق ارزانی اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے ہدایت دے اس کے لئے ہدایت کی راہ آسان ہو جاتی ہے، اور جسے محروم کر دے اس کے لئے دشوار گذار ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے:﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴾ [اللیل:۵ - ۱۰] ”جس نے دیا (اللہ کی راہ میں) اور ڈرا (اپنے رب سے) اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہے گا، تو ہم بھی اس کو آسان راستے کی سہولت دیں گے، لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی، اور نیک بات کی تکذیب کی، تو ہم بھی اس کی تنگی اور مشکل کے سامان میسر کر دیں گے“۔

جو لوگ راہ ہدایت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس پر ثبات قدمی کی دعا کرتے رہتے ہیں، وہ اللہ کی ذات سے یہ یقین رکھیں کہ وہ ضرور باتوفیق ہوں گے۔ ارشاد باری ہے:﴿ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ [العنکبوت:۶۹] ”جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں، ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھا دیں گے“۔

۴۔ جہنم سے بچانے والی اور جنت میں داخلہ دلانے والی سب سے پہلی چیز توحید ہے۔ اس سے توحید کی اہمیت و عظمت معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کے اندر سب سے پہلا حکم یہی ہے۔ ارشاد ہے:﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ [البقرۃ:۲۱] ”اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمھارا بچاؤ ہے“۔

توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ربوبیت والوہیت اور اسماء وصفات میں یکتا اور بے مثال مانا جائے، یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ اپنے تمام کاموں میں اکیلا ہے، تمام عبادات کا تنہا مستحق ہے، اس کے جملہ اسماء وصفات اس کے لئے اس کے شایان شان ثابت ہیں، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے۔

کسی بھی عبادت کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں: ایک اخلاص اور دوسرے اتباع سنت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾

[النساء:۱۲۵] ”باعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے جو اپنے کو اللہ کے تابع کردے اور ہو بھی نیکو کار؟“۔ اللہ کے تابع ہونے کا مطلب اللہ کے لئے مخلص ہونا، اور نیکوکار ہونے کا مطلب ہے متبع سنت ہونا۔

۵۔ شرک ایسا منحوس اور خطرناک عمل ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ شرک اس روئے زمین پر کئے جانے والے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک کرنے والے انسان پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شرک یہ ہے کہ اللہ کی خصوصیات میں غیر اللہ کو اللہ کے برابر کردیا جائے۔ شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرک اکبر جس سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اور توبہ کے بغیر اس کی بخشش نہیں ہوتی۔ دوسری قسم شرک اصغر ہے جو شرک اکبر تک پہنچانے کا ذریعہ ہے؛ مثلاً ریا ونمود، غیر اللہ کی قسم وغیرہ۔

شرک اکبر یہ ہے کہ وہ امور جن کا مستحق صرف اللہ ہے غیر اللہ کو دے دیئے جائیں یا کوئی عبادت غیر اللہ کے لئے کی جائے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:

أ۔ دعا میں شرک: عبادت میں شرک کی تمام قسمیں اس میں داخل ہیں؛ مثلاً غیر اللہ سے دعا کرنا، ان سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ان کی پناہ ڈھونڈنا، ان کے لئے قیام، رکوع اور سجدہ کرنا، ان کے لئے نذر ونیاز دینا یا جانور ذبح کرنا، کعبہ کے سوا کسی اور جگہ کا طواف اور حج کرنا وغیرہ۔

یارسول اللہ مدد، یا علی مدد، یا غوث مدد پکارنے والا شرک میں واقع ہوجاتا ہے۔

ب۔ نیت وارادہ میں شرک: اور اس کی چار قسمیں ہیں:

❶ جنت کی طلب اور جہنم سے نجات مقصد ہونے کے بجائے جان ومال اور اہل وعیال کی حفاظت اور دنیوی ترقی وغیرہ مقصود ہو۔

❷ آخرت کے ثواب کے بجائے صرف لوگوں کو دکھانا مقصود ہو۔

❸ نیک عمل کرکے صرف مال کمانا مقصود ہو؛ مثلاً مال کمانے کے لئے حج کرے یا جہاد کرے، یا صلاۃ کی پابندی اس لئے کرے کیونکہ مسجد میں ملازم ہے وغیرہ۔

❹ عمل تو خالص اللہ کے لئے کرے لیکن ساتھ ہی کوئی ایسا کفریہ عمل بھی کرتا ہو جس سے اسلام سے نکل جائے۔

ج۔ اطاعت میں شرک: اطاعت میں شرک یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی واضح، صحیح اور صریح دلیل آجانے کے باوجود اپنے عالم، عبادت گذار، امام اور بڑے کی بات نہ چھوڑے اور قرآن وحدیث کو چھوڑدے۔

د۔ محبت میں شرک: غیر اللہ سے اللہ جیسی یا اللہ سے بڑھ کر محبت رکھنا شرک ہو جاتا ہے۔

٦۔ ارکان اسلام کی بڑی اہمیت ہے، شریعت کے مطابق ان کی ادائیگی اور پابندی جنت میں داخلہ کا سبب ہے۔

٧۔ خیر کے دروازے بہت سے ہیں۔ واجبات وفرائض کے علاوہ نوافل ومستحبات بہ کثرت ہیں۔

٨۔ صوم ڈھال ہے۔ صوم کے ذریعہ ایک مومن دنیا میں معصیت اور گناہ سے اور آخرت میں جہنم سے اپنا بچاؤ کرتا ہے۔ماہ رمضان کے فرض صوم کے علاوہ بعض دوسرے ایام میں صوم رکھنے کی ترغیب احادیث میں آئی ہے جو حسب ذیل ہیں:

محرم کی دسویں تاریخ کا صوم، میدان عرفات میں موجود حاجیوں کے علاوہ کے لئے عرفہ (۹ ذوالحجہ) کا صوم، سوموار اور جمعرات کا صوم، ہر مہینہ میں تین دن کا صوم، ایک دن ناغہ کرکے صوم، شوال کے چھ دنوں کا صوم، ماہ محرم اور ماہ شعبان میں صوم۔

٩۔ صدقہ کے بے شمار فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ وہ گناہوں کو مٹاتا اور ان کا کفارہ بنتا ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:”ہر آدمی (بروز قیامت) اپنے صدقہ کے سایہ میں ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے“۔(صحیح الترغیب)

١٠۔ قیام اللیل خیر کا ایک عظیم دروازہ ہے۔ اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”فرض کے بعد سب سے افضل صلاۃ رات کی صلاۃ ہے“۔(صحیح مسلم)عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، اور رات کو جب لوگ سورہے ہوں تو صلاۃ پڑھو، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے"۔(ترمذی) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ: "بے شک رات میں ایک گھڑی ایسی ہے جسے کوئی مسلمان شخص اللہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی مانگتے ہوئے پا جائے تو اللہ تعالی اس کا سوال ضرور عطا فرماتا ہے، اور وہ گھڑی ہر رات میں آتی ہے"۔(مسلم)

۱۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن پاک کو بطور دلیل پیش کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی صلاۃ کی اہمیت بتلاتے ہوئے آیت تلاوت فرمائی: ﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ ٱلْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِىَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴾[السجدة:۱۶–۱۷]"ان کے پہلو اپنے بستروں سے الگ رہتے ہیں، اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے وہ خرچ کرتے ہیں، کوئی نفس نہیں جانتا جو کچھ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے، جو کچھ کرتے تھے یہ اس کا بدلہ ہے"۔

۱۲۔ دین کا سرا اسلام ہے۔ اسلام سے مراد شہادتین ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی تفسیر موجود ہے۔ جو شخص اپنے ظاہر وباطن میں شہادتین کا اقرار نہ کرے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

شہادتین کے بعد سب سے اہم چیز صلاۃ ہے، جسے حدیث میں اسلام کا ستون قرار دیا گیا ہے۔

۱۳۔ اللہ کے یہاں جہاد فی سبیل اللہ کا بڑا عظیم مرتبہ ہے، اسی لئے اسے کوہان کی بلندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جہاد کی فضیلت میں بے شمار آیات واحادیث ہیں۔ جہاد جان سے بھی ہوتا ہے اور مال سے بھی اور زبان سے بھی۔ جان سے جہاد یہ ہے کہ اسلام کی نشرواشاعت میں اور بوقت ضرورت کفار سے لڑائی میں پوری محنت وسعی کی جائے، مال کا جہاد یہ ہے کہ مجاہدین کے لئے ہتھیار وغیرہ خریدنے اور دیگر اخراجات کے لئے مال خرچ کیا جائے، اور زبان کا جہاد یہ ہے کہ کفار ومنافقین کو اللہ کی طرف بلایا جائے اور ان پر حجت قائم کر دی جائے۔

۱۴۔ زبان بڑی خطرناک چیز ہے، اسے قابو میں رکھنے سے ہی ہر قسم کی بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾[ق:۱۸] "(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر کہ اس کے پاس نگہبان تیار ہے"۔ اور یہ حدیث گذر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے"۔

زبان ہی وہ چیز ہے جس سے خیر وشر کے بہت سے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ زبان ہی سے آدمی اللہ کا ذکر کرتا، اس کی تسبیح وتحمید اور تہلیل وتکبیر کہتا ہے، بھلائیوں کا حکم دیتا اور برائیوں سے روکتا ہے، اللہ کے دین کی طرف بلاتا اور غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ دوسری طرف اسی زبان سے کفریہ کلمات بکتا، گالی گلوج کرتا، جھوٹ بولتا، جھوٹی تہمت لگاتا، جھوٹی گواہی دیتا، لوگوں کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرتا، زبان درازی کرتا، حق کی راہ سے روکتا، بے علمی کے ساتھ فتوے دیتا، باطل کا پرچار کرتا اور کفر وشرک اور بدعات کی دعوت دیتا ہے۔

زبان کا استعمال اگر خیر وبھلائی میں ہے تو انجام بخیر ہے، اور اگر شر وبدی میں ہے تو انجام بھی اسی کے مطابق ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ خاموشی سلامتی اور عافیت اور ہلاکتوں سے نجات کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

حدیث (۳۰)

(حدودِ الہی کی پابندی اور التزام ضروری ہے)

عَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ جُرْثُومِ بْنِ نَاشِرٍ - رضي الله تعالى عنه - عَنْ رَسُولِ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا**». حديث حسن رواه الدارقطني وغيره.

ترجمہ:

ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمائی ہیں ان کو ضائع نہ کرو، اور کچھ حد بندیاں کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو، اور کچھ چیزوں کے بارے میں بھول کر نہیں بلکہ تم پر رحم فرماتے ہوئے خاموشی برتی ہے، ان کے بارے میں کرید نہ کرو“۔ (حدیث حسن ہے۔ دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث دینی مسائل کی ایک عظیم بنیاد ہے۔ اس میں احکام کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے: ❶ فرائض ❷ محارم ❸ حدود ❹ مسکوت عنہ (جن امور پر خاموشی اختیار کی گئی ہے) دین کا کوئی مسئلہ ان چاروں احکام سے خارج نہیں ہے۔

۲۔ فرائض کی پابندی نہایت اہم ہے۔ یاد رہے کہ **فرائض کی دو قسمیں ہیں:**

❶ **فرض کفایہ:۔** وہ عمل شریعت میں جس کی انجام دہی مقصود ہے، اس سے قطع نظر کہ اس کا فاعل کون ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چند لوگوں نے اسے انجام دے دیا تو یہ تمام سے ساقط ہو جائے گا، اس کی مثال اذان واقامت اور صلاۃ جنازہ وغیرہ کی ہے۔

❷ فرض عین:۔ وہ عمل جس میں شریعت کا مقصود فعل وفاعل دونوں ہیں۔ جس کا مطالبہ ہر ہر شخص سے ہے، اور جو ہر شخص کو ادا کرنا ضروری ہے، جیسے اسلام کے پانچوں ارکان۔

۳۔ اللہ کے حدود سے تجاوز کرنا حرام ہے۔ حدود اللہ میں اوامر ونواہی دونوں داخل ہیں، اوامر واحکامات کے تجاوز سے روکا گیا ہے؛ مثلاً: ارشاد باری ہے: ﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴾[البقرۃ:۲۲۹] ”یہ اللہ کی حدود ہیں، خبر دار ان سے آگے نہ بڑھنا، اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں“۔ اسی لئے شریعت نے غلو اور تجاوز سے روکا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں جمرات پر کنکری مارتے ہوئے چنے کے برابر کنکریاں ہاتھ میں لے کر ارشاد فرمایا: ”اس طرح کی کنکریوں سے مارو، اور غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کی امتوں کو غلو نے تباہ کر دیا“۔ (ابن ماجہ، صحیح ابن حبان)

(غلو سے متعلق تفصیل جاننے کے لئے ہماری کتاب "غلو کے کرشمے" ملاحظہ کریں۔)

نواہی اور ممنوعات کی حدوں کے قریب جانے سے روکا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ تِلْكَ حُدُودُ ٱللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ ءَايَٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴾ [البقرۃ:۱۸۷] ”یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں تم ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں“۔ تمام گناہوں کے قریب جانے سے شریعت میں روکا گیا ہے۔ ارشاد مولیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ ٱلزِّنَىٰٓ ﴾[الاسراء:۳۲]”زنا کے قریب مت جاؤ“۔ نیز ارشاد ہے:﴿ وَلَا تَقْرَبُوا۟ مَالَ ٱلْيَتِيمِ إِلَّا بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ﴾[الانعام:۱۵۲] ”اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے“۔

گناہوں کے قریب جانے سے اس لئے روک دیا گیا کیونکہ ان میں پڑنے سے ایمان کم ہو جاتا اور اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا ہو جاتی ہے۔ گنہگار یہ نہ دیکھے کہ گناہ چھوٹا ہے بلکہ وہ یہ دیکھے کہ وہ ذات کتنی بڑی اور کتنی عظمت والی ہے جس کی وہ نافرمانی کر رہا ہے!۔ اہل ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ

گناہ ہو جانے کے بعد فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں، توبہ واستغفار کے ذریعہ اس کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں۔

۴۔ مسکوت عنہ وہ امور ہیں جن کے بارے میں شریعت میں خاموشی اختیار کی گئی ہے، جن کا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا ہے۔ ایسے امور کا حکم یہ ہے کہ وہ معاف ہیں، ان کے بارے میں زیادہ بحث و کرید ممنوع ہے۔

حدیث (۳۱)

(زُہد کی حقیقت وفضیلت)

عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ سَعْدِ بْنِ سَهْلٍ السَّاعِدِي - رضي الله عنه - قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! دُلَّنِيْ عَلَىٰ عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللهُ، وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ؟ فَقَالَ: «**اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ**». حديث حسن رواه ابن ماجه وغيره بأسانيد حسنة.

ترجمہ:

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جسے میں کرلوں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا: ”دنیا میں زہد (بے رغبتی) اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا، اور لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے بے رغبت رہو تو لوگ تم سے محبت کریں گے“۔ (حدیث حسن ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ اس حدیث میں اللہ اور اس کے بندوں کی محبت حاصل کرنے کا گر سکھایا گیا ہے۔ انسان کی اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے خالق اور تمام مخلوقات کے یہاں محبوب ہو جائے۔

۲۔ دنیا سے زہد و بے رغبتی ایک فضیلت والا عمل اور اللہ کی محبت کا باعث ہے۔ زہد آخرت میں نفع نہ دینے والی تمام چیزوں کو چھوڑ دینے کا نام ہے۔ زہد کی بنا پر انسان دنیا کی طرف مائل نہیں ہوتا، بلکہ اس کی حالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مصداق ہوتی ہے کہ: ”دنیا

میں اس طرح رہو جیسے کوئی پردیسی یا راہگذار مسافر“۔(بخاری) زہد دنیا سے کنارہ کشی کا نام نہیں، بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے اور اس کی جائز نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے دلچسپی، اس کی لالچ اور اس کی محبت دل سے نکال دینے کا نام ہے۔

دنیا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَٰعُ ٱلْغُرُورِ ﴾[الحدید:۲۰]”اور دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا اور کچھ بھی تو نہیں“۔ نیز ارشاد ہے: ﴿ وَمَا هَٰذِهِ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ ٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ لَهِىَ ٱلْحَيَوَانُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴾[العنکبوت:٦٤]”یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے اور بے شک آخرت کا گھر وہی ہمیشہ کا گھر ہے، اگر وہ جانتے ہوتے“۔

دنیا کی عیش وراحت کے لئے بعض لوگ حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے، جب کہ آخرت کی سزا کے مقابلہ میں دنیا کے عیش وراحت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:”بروز قیامت جہنمیوں میں سے ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ خوشحال رہا ہو گا، اسے جہنم میں ایک غوطہ دے کر پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی راحت دیکھی؟ کیا کبھی تجھ پر خوشحالی کا گذر ہوا؟ وہ کہے گا: نہیں، اللہ کی قسم، اے میرے رب۔ اور جنتیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ دکھی اور مصیبت زدہ تھا، اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی سختی اور تنگی دیکھی ہے؟ کیا تیرے ساتھ کبھی سختی کا گذر ہوا؟ وہ کہے گا: نہیں، اللہ کی قسم! میرے ساتھ کبھی سختی کا گذر نہیں ہوا، نہ کبھی میں نے سختی اور تکلیف دیکھی“۔(صحیح مسلم)

۳۔لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا بہترین نسخہ یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں میں پائی جانے والی چیزوں کی لالچ نہ کی جائے، بلکہ ان کے مال ودولت سے زہد وبے رغبتی اختیار کی جائے، کیونکہ انسان اپنے سامنے ہاتھ پھیلانے والے کو اپنے سے کمتر وحقیر اور ایک بوجھ سمجھتا ہے، مال خرچ کرنے میں گرانی محسوس کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سائل سے بغض ونفرت اور کراہت پیدا ہوتی ہے۔

مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے فکر وغم اور بے چینی پیدا ہوتی ہے، اس کے برخلاف اگر بندہ بندوں سے بے نیاز ہو کر اپنی ساری امیدیں اللہ سے وابستہ کر دے، اسی پر اعتماد وتوکل

کرے، اسی سے اپنی مرادیں مانگے، کیونکہ اس کے فضل وکرم کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، تو اس سے جہاں اس کے قلب وروح کو اطمینان وسکون نصیب ہو گا، وہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے ہر مشکل کو آسان کر دے گا، ہر دشواری کو سہولت میں بدل دے گا، اس کو ایسی جگہوں سے رزق عطا فرمائے گا جو اس کے وہم وگمان میں بھی نہ ہو گا، اس کے سارے غم دور کر دے گا، اور اسے ایسی قابل رشک آزادی عطا فرمائے گا جس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی چیز نہیں۔

۴۔ دنیا سے زہد وبے رغبتی جب تک شرعی حدود میں ہو قابل مدح ہے، لیکن اگر ان حدود کو تجاوز کر جائے تو وہ قابل مذمت ہو جاتا ہے۔ گمراہ صوفیوں نے زہد کے نام پر خلوت گزینی اور خانقاہ نشینی ایجاد کی، پھر جہالت میں غوطہ زن کر کے ہر ضلالت کو فروغ دیا، لہذا افراط وتفریط سے خبر دار رہنا نہایت اہم ہے۔ کچھ لوگوں نے حلال کمانے، شادی بیاہ کرنے، اولاد کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہونے، اور علم حاصل کرنے کو بھی دنیاداری سمجھ لیا ہے، حالانکہ ان امور کا اسلامی شریعت میں حکم دیا گیا ہے، اور انھیں امور پر اسلامی تمدن قائم ہے۔

حدیث (۳۲)

(ضرر رسانی کی حرمت وممانعت)

عن أبي سعيد -سعد بن سنان- الخدري -رضي الله عنه- أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- قال: «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ».

حديث حسن رواه ابن ماجه والدارقطني وغيرهما مسنداً، ورواه مالك في الموطأ مرسلاً عن عمرو بن يحيي عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم، فأسقط أبا سعيد، وله طرق يقوي بعضها بعضاً.

ترجمہ:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”نہ (بلاوجہ) ضرر پہنچانا ہے اور نہ بدلے میں ضرر پہنچانا ہے“۔

(حدیث حسن ہے۔ ابن ماجہ اور دار قطنی وغیرہ نے مسنداً روایت کیا ہے، اور موطا میں امام مالک نے عمرو بن یحیی سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ مگر اس حدیث کی کئی سندیں ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں)۔

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث دین کا ایک اہم اصول بیان کرتی ہے، وہ یہ کہ شرعی طور پر ضرر کو ختم کر دیا گیا ہے، لہذا کسی مسلمان کے لئے اپنے مسلمان بھائی کو کسی قسم کا ضرر پہنچانا جائز نہیں، خواہ قول و فعل سے ہو، یا ناحق اشارے سے، اور خواہ ضرر پہنچانے والے کو اس سے کوئی فائدہ ہو رہا ہو، یا نہ ہو رہا ہو۔ اگر کسی نے کسی کو کوئی ضرر پہنچایا تو بھی بدلہ میں از خود ضرر پہنچانا جائز نہیں، بلکہ حاکم اور قاضی کے پاس معاملہ لے جانا چاہئے۔

اس حدیث کے تحت بہت سے فقہی مسائل آتے ہیں جن میں سے چند کا ہم یہاں بطور مثال ذکر کرتے ہیں۔

۱) ایک پڑوسی کے لئے اپنی ملکیت میں کوئی ایسا عمل کرنا حرام ہے جس سے اس کے پڑوسی کو ضرر ہو: مثلاً اپنی زمین میں گڑھا کھودنے، یا حمام بنانے، یا چکی لگانے، یا تنور جلانے سے اگر پڑوسی کو ضرر پہنچ

رہا ہے تو یہ اعمال حرام ہوں گے۔

۲) پڑوسی کی دیوار میں اس کی اجازت کے بغیر میخ گاڑنا یا طاق کھولنا حرام ہے۔

۳) اگر پڑوسی کے ساتھ کی مشترک دیوار گر جائے، یا چھت گر جائے، یا گرنے سے نقصان کا خطرہ ہو، تو دونوں کو مل کر اسے درست کرنا ہوگا، اور اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اسے ایسا کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔

۴) بیوی کو تنگ کرنا اور اسے تکلیف پہنچانا تا کہ وہ خود خلع لے لے حرام ہے۔

۵) بچہ کی وجہ سے بیوی شوہر کو، یا شوہر بیوی کو تکلیف پہنچائے، یا نقصان میں مبتلا کرے تو یہ عمل حرام ہے۔

۶) کسی وارث کی وجہ سے مورث کو نقصان پہنچانا، یا وصیت کرنے والے کا اپنی وصیت میں ضرر پہنچانا حرام ہے۔

۲۔ اسلام میں ضرر پہنچانا ممنوع ہے، اور اس کے مقابلے میں اچھے برتاؤ کا حکم آیا ہے۔

حدیث (۳۳)

(دعویٰ کے اثبات کا شرعی طریقہ)

عنِ ابْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَىٰ رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَهُمْ، وَلَكِنِ البَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ، وَالْيَمِيْنُ عَلَىٰ مَنْ أَنْكَرَ**». حديث حسن رواه البيهقي هكذا وبعضه في الصحيحين.

ترجمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر لوگوں کو صرف ان کے دعووں کی بنیاد پر دے دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے جان ومال کا دعوی کر بیٹھیں گے۔ دعوے دار کو دلیل دینا ہوگا، اور انکار کرنے والے کو قسم کھانی ہوگی"۔ (حدیث حسن ہے۔ بیہقی وغیرہ نے اسی طرح روایت کی ہے۔ اس کا کچھ حصہ صحیحین میں مروی ہے)۔

فوائد واحکام:

ا۔ یہ بڑی عظیم حدیث ہے۔ اختلافات وتنازعات کے وقت فیصلہ کی بنیاد ہے۔ ایک آدمی دوسرے شخص پر کسی حق کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا اس کا انکار کرتا ہے، یا ایک شخص اپنے اوپر کسی ثابت حق کی ادائیگی کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا انکار کرتا ہے، تو آخر اس نزاع کا حل کیا ہوگا؟ حق وناحق کیسے معلوم ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بتا کر کہ مدعی کو دلیل پیش کرنی ہوگی، اور دلیل نہ ہونے کی صورت میں مدعا علیہ حلف اٹھائے گا، حل اختلاف کا ذریعہ بتا دیا۔

۲۔ یہ حدیث ہر قسم کے دعاوی میں عام ہے۔ جو شخص کسی پر کسی حق یا قرض یا سامان کا دعویٰ کرے تو اس سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے گا، صحیح دلیل پیش کر دینے کی صورت میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا، اگر صحیح دلیل پیش نہ کر سکا تو مدعا علیہ حلف اٹھا کر اس تہمت سے بری

ہو جائے گا۔

ایسے ہی اگر کوئی شخص اپنے اوپر ثابت حق سے براءت کا دعویٰ کرے، اور صاحب حق انکار کرے، تو جب تک وہ اپنی براءت اور حق کی ادائیگی کی دلیل پیش نہ کرے، اس کے ذمہ حق کو ثابت مانا جائے گا، کیونکہ یہی اصل ہے، البتہ صاحب حق کو حلف اٹھانا ہو گا کہ اس کا حق فلاں کے ذمہ باقی ہے۔

۳۔ کسی مدعی کو صرف اس کے دعویٰ کی بنیاد پر کوئی چیز نہ دی جائے گی، کیونکہ اگر ایسا ہو جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے جان ومال کا دعویٰ کر دیں گے، اور شر وفساد اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس کا روکنا ممکن نہ ہو گا، اور لوگوں کی جان ومال غیر محفوظ ہو جائے گی۔ اس حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت انتہائی کامل اور حقوق انسانی کی محافظ ہے، ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ اس رب کریم کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو علم وحکمت والا اور اپنے بندوں پر بڑا رحیم وکریم ہے۔ اسلامی شریعت کے تمام احکام عدل وانصاف، رحم وکرم اور مظلوم کی حمایت پر مبنی ہیں۔

حدیث (۳۴)

(منکر وناپسندیدہ امور کو روکنے کا شرعی طریقہ)

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيّ - رضي الله عنه - قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - يَقُوْلُ: «مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا: "تم میں سے جو شخص کوئی منکر (برائی) دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے"۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث انکار منکر کے وجوب کی دلیل ہے۔ منکر (برائی) کا انکار ایک فریضہ اور ایمانی وصف ہے جس کی ادائیگی ہاتھ یا زبان یا دل سے حسب استطاعت ضروری ہے۔

۲۔ حدیث کے الفاظ سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص منکر کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اسی پر انکار لازم ہے، مگر چونکہ رؤیت علم کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے زیادہ راجح یہی ہے کہ یہ حدیث دیکھنے اور جاننے دونوں کو شامل ہے، لہٰذا ہر اس شخص پر انکار منکر ضروری ہے جسے منکر کا علم ہو یا جس نے منکر کو دیکھا ہو۔

۳۔ انکار منکر کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے روکے؛ مثلاً حاکم اپنے محکوموں کو، آدمی اپنے گھر والوں کو، استاد اپنے طلبہ کو۔ انکار کے مفہوم میں اس منکر کو ختم کرنا، اس کے مرتکب کو تنبیہ، سزا کی دھمکی اور سزا دہی وغیرہ سب داخل ہے۔

۴۔ انکار منکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جسے ہاتھ سے انکار کی طاقت نہ ہو وہ اپنی زبان استعمال کرے، پند و نصیحت کرے، اور دنیاوی واخروی سزاؤں کا خوف دلائے۔ چونکہ قلم بھی ایک زبان ہے اس لئے کسی برائی کے خلاف کتاب تصنیف کرنا، لٹریچر تحریر کرنا، اخبارت ومجلات میں مضامین لکھنا، اس منکر کے خطرات ونقصانات سے لوگوں کو خبر دار کرنا، اور اس سے بچنے کے طریقے بتانا بھی زبان سے روکنے میں داخل ہے۔

۵۔ انکار منکر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ دل سے انکار کرے۔ دل سے انکار ہر مسلمان پر فرض ہے، کیونکہ یہ آخری درجہ ہے جس کے بعد کوئی درجہ نہیں۔ بعض احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ لفظ آیا ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانہ برابر بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔

دل کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اس منکر کو ناپسند کرے، اس کے وجود سے اس کو دلی تکلیف ہو، اور اس کی یہ نیت ہو کہ جب بھی زبان یا ہاتھ سے اس برائی کے ختم کرنے کا موقع ملے گا فوراً اپنی طاقت کے مطابق اسے ختم کرے گا۔

٦۔ ایمانی خصلتوں میں فرق مراتب ہے۔ ہاتھ سے انکار کرنے والا صرف دل سے انکار کرنے والے سے افضل واعلی ہے۔ ایک شخص اگر کوئی ایمانی کام اپنی عاجزی اور ناتوانی کی بنا پر انجام نہیں دے پاتا تو وہ اگرچہ گنہگار نہیں لیکن اس کی بہ نسبت وہ شخص افضل ہے جو وہ ایمانی کام انجام دے رہا ہے۔ اس اصول کی شریعت میں کئی مثالیں ہیں۔ ایک مثال عورتوں سے متعلق وارد وہ حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عورتوں کے دین کی کمی یہ ہے کہ وہ (ہر مہینے) کئی دن اور کئی راتیں صلاۃ نہیں پڑھتیں۔ مراد حیض (ماہواری) کے ایام ہیں۔ جبکہ ان دنوں میں خود شریعت نے انھیں صلاۃ سے روک دیا ہے، اس کے باوجود اسے دین کی کمی بتایا گیا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ایک امیر اپنے صدقہ وخیرات کی بنا پر اس فقیر سے افضل ہے جو صدقہ وخیرات نہیں کر سکتا، گرچہ وہ صدقہ وخیرات نہ کرنے کی بنا پر گنہگار اور قابل ملامت نہیں ہے۔﴿ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ ﴾

۷۔ انکار منکر کے چار حالات ہیں:

- پہلی حالت یہ ہے کہ منکر ختم ہو جائے اور اس کی جگہ پر معروف آجائے۔
- دوسری حالت یہ ہے کہ منکر کم ہو جائے اگرچہ پوری طرح ختم نہ ہو۔
- تیسری حالت یہ ہے کہ منکر تو ختم ہو جائے لیکن اسی جیسا دوسرا منکر اس کی جگہ لے لے۔
- چوتھی حالت یہ ہے کہ منکر تو ختم ہو جائے لیکن اس کی جگہ پر اس سے بڑا منکر آجائے۔

پہلی دو حالتوں میں انکار مشروع ہے، تیسری حالت میں اجتہاد کی ضرورت ہے، اور چوتھی حالت میں انکار حرام ہے۔

۸۔ برائیوں کے انکار میں اگر مسلمان کوتاہی برتنے لگیں گے تو اس کا انجام نہایت بھیانک ہو گا۔ اللہ کی لعنت اور اس کی رحمت سے دوری کے مستحق ہو جائیں گے۔ دنیا میں ہلاکت وبربادی ان کا مقدر ہو جائے گی، اور ایسی سزا سے دوچار ہو جائیں گے کہ دعائیں کرتے رہیں گے اور قبول نہیں ہوں گی۔

حدیث (۳۵)

(اسلامی معاشرت کے اصول وآداب)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم-: «**لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوَىٰ هَاهُنَا** - وَيُشِيْرُ إِلَىٰ صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ - **بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ؛ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ**». رواه مسلم.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "باہم حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے بھاؤ نہ بڑھاؤ، آپس میں بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، کوئی اپنے بھائی کے بیع پر بیع نہ کرے، آپس میں اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کو بے سہارا نہیں چھوڑتا، اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔ تقوی یہاں ہے اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ تین بار۔ آدمی کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون بھی، اور اس کی دولت اور عزت بھی"۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

فوائد واحکام:

۱۔ اس حدیث میں ایک پرامن اور مستحکم معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کی بنیادی اینٹوں کا ذکر کیا گیا ہے، نیز ان بداخلاقیوں سے منع کیا گیا ہے جو سماج کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۔ حسد ایک بدترین اخلاقی مرض ہے، اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ حسد یہ ہے کہ انسان دوسرے پر اللہ کی نعمت کو ناپسند کرے، یا دوسرے سے اللہ کی نعمت چھن جانے کی تمنا کرے۔

حسد کے بے شمار نقصانات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱) اللہ کے فیصلہ سے ناراضگی۔ کیونکہ محسود کو ملی ہوئی نعمت اللہ کی طرف سے ہے، اس پر اگر کوئی اپنے بھائی سے حسد کرتا ہے تو گویا اللہ کی تقدیر اور تقسیم پر راضی نہیں۔ لہذا اس کے ایمان و تقویٰ میں خلل اور نقص ہے۔

۲) حاسد اور محسود میں عداوت۔ کیونکہ عداوت و دشمنی حسد کا لازمی نتیجہ ہے، بسا اوقات اس پر زیادتی بھی ہو جاتی ہے۔

۳) تنگدلی اور فکر و غم۔ کیونکہ محسود کو ملنے والی ہر نئی نعمت حاسد کے حسد کی آگ کے لئے نیا ایندھن ثابت ہوتی ہے، جس سے حاسد کے فکر و غم اور جلن میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

۴) یہود و نصاریٰ کی مشابہت۔ حسد اللہ کی مخلوق میں سب سے خبیث اور خسیس قوم یہودیوں اور نصرانیوں کی صفت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ ٱلْحَقُّ ﴾ [البقرۃ:۱۰۹] ”ان اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں“۔

حسد کرنے سے یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہوتی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنهُمْ» (احمد وابوداود) ”جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے اس کا تعلق انھیں کے ساتھ ہے“۔

۵) اللہ کے ساتھ بے ادبی۔ کیونکہ حاسد گویا اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے۔

حسد نے ہی ابلیس کو آدم کا سجدہ کرنے سے روکا، حسد نے ہی قابیل کو ہابیل کے قتل پر ابھارا، حسد نے ہی برادران یوسف کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ یوسف علیہ السلام جیسے عزیز اور معصوم بھائی کو اندھے کنویں میں پھینک دیں، اور اپنی دانست کے مطابق ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔

البتہ یاد رہے کہ حسد بعض حالات میں قابل تعریف بھی ہے، جسے رشک کہتے ہیں، یعنی انسان دوسرے کی نعمت کی طرح خود پانے کی تمنا تو کرے مگر دوسرے پر اللہ کی نعمت کو ناپسند نہ کرے، نہ ہی اس سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”حسد صرف دو چیزوں میں درست ہے: ایک اس شخص سے جس کو اللہ نے مال سے نوازا ہو اور پھر حق کی راہ میں خرچ کرنے پر لگا دیا ہو، دوسرے اس شخص سے جس کو اللہ نے علم و حکمت عطا کی ہو اور وہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرتا ہو اور اس کی تعلیم دیتا ہو“۔ (متفق علیہ)

۳۔ نجش حرام ہے۔ نجش یہ ہے کہ جو شخص کوئی سامان خریدنا نہیں چاہتا وہ خریدار یا بائع میں سے کسی ایک کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے اس سامان کا بھاؤ بڑھا دے۔ اس کے حرام ہونے کی حکمت یہ ہے کہ یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے، نیز اس ہمدردی و خیر خواہی کے بھی خلاف ہے جسے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے۔

۴۔ آپس میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا حرام ہے، کیونکہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور بھائی چارگی کا تقاضا آپس میں ایک دوسرے سے محبت ہے، نہ کہ بغض و نفرت اور عداوت۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں بغض و عداوت پیدا کرنے والی چیزوں کو حرام کر دیا، اور ان کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنے والی چیزوں کا حکم دیا ہے۔ غیبت و چغلی اور لگائی بجھائی کو حرام کیا، کیونکہ اس سے باہمی رنجش پیدا ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جنت میں چغلخور داخل نہیں ہو گا“۔ (متفق علیہ) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب تین لوگ ہوں تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں کہ اس سے تیسرے کو غم ہوگا“۔(متفق علیہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوسکتے جب تک مومن نہ ہو جاؤ، اور مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جب تم اسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگوگے۔ آپس میں سلام کو عام کرو“۔(مسلم)

۵۔ اپنے کسی مسلمان بھائی سے پیٹھ پھیرنا اور تعلقات توڑنا حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بات چیت بند رکھے، دونوں ملاقات کریں تو ایک دوسرے سے منہ موڑلیں، ان دونوں میں زیادہ بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے“۔(متفق علیہ)

البتہ کسی فاسق اور گنہگار سے اس کی اصلاح کی خاطر تین دن سے زیادہ بات چیت بند کرنا جائز ہے بشرطیکہ بات بند کرنے میں مصلحت ہو۔ واللہ أعلم۔

٦۔ ایک مسلمان کی بیع پر دوسرے مسلمان کا بیع کرنا حرام ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں بغض وعناد اور نفرت وعداوت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص پچاس روپۓ میں کوئی سامان خرید رہا ہے ایک دوسرا آدمی اس خریدار سے جاکر کہے کہ میں چالیس روپۓ میں تمھیں یہ سامان دے دوں گا، یا پچاس ہی روپۓ میں اس سے بہتر دے دوں گا۔ اس بنا پر خریدار پہلے کے ساتھ اپنا معاملہ ختم کرکے دوسرے کے ساتھ معاملہ کرلے۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے پاس جائے، جس نے پچاس روپۓ میں کوئی سامان بیچا ہو، اس سے جاکر کہے کہ میں تم سے یہ سامان ساٹھ روپۓ میں خرید لوں گا، اس بنا پر بیچنے والا پہلے کے ساتھ معاملہ توڑ کر اس سے معاملہ کرلے۔ یہ دونوں صورتیں اسلام میں ممنوع اور حرام ہیں اور ان کی بکثرت نہی وارد ہوئی ہے۔

۷۔ حدیث میں ان امور کو اپنانے کی ترغیب ہے جس سے مسلمانوں میں الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے، اور ان کے دل یکجا ہوتے ہیں۔ زیارت، صلہ رحمی، صدقہ اور ہدیہ وغیرہ الفت ومحبت پیدا کرنے کے چند اہم وسائل ہیں۔

۸۔ اسلامی اخوت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر کسی طرح کا ظلم نہ کرے، بلکہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرے، اس کو بے سہارا نہ چھوڑے بلکہ اس کے کام آئے، اسے حقیر نہ جانے بلکہ اس کی عزت وتکریم کرے۔

۹۔ تقویٰ دل میں ہوتا ہے اور اعضاء وجوارح سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگر کوئی بندہ متقی ہوگا تو وہ اللہ کے احکامات کا پابند اور اس کی ممنوعات سے پرہیز گار ہوگا۔ کسی ظاہری گناہ پر ٹوکنے سے بعض لوگوں کا یہ جواب دینا کہ تقوی تو دل میں ہوتا ہے اور جب دل صاف ہو تو گناہ کا کوئی نقصان نہیں۔ یہ جواب کسی طرح درست نہیں، کیونکہ اگر دل صاف ہوگا تو اس کے اثرات اعضاء پر ضرور ظاہر ہوں گے۔

۱۰۔ تقویٰ دل میں ہوتا ہے، اور اللہ کے یہاں رتبے تقویٰ سے متعین ہوتے ہیں، اس لئے بہت ممکن ہے کہ جسے لوگ کمزور یا غریب دیکھ کر حقیر جانتے ہیں اللہ کے یہاں عظیم رتبہ کا مالک ہو۔ ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ [الحجرات: ۱۳]

”اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے“۔

۱۱۔ مسلمان کا جان ومال اور اس کی عزت وآبرو محترم ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”بے شک تمھارے خون، تمھارے مال، اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے اس شہر (مکہ) میں، اس مہینہ (ذوالحجہ) میں آج کے دن (یوم النحر) کی حرمت ہے“۔ (متفق علیہ)

جان میں خلاف احترام یہ ہے کہ قتل یا زخمی وغیرہ کرکے تجاوز کیا جائے۔ آبرو میں خلاف احترام یہ ہے کہ غیبت وچغلی، گالی گلوج، عیب جوئی تہمت تراشی یا آبروریزی وغیرہ کے

ذریعہ تجاوز کیا جائے، اور مال میں خلاف احترام یہ ہے کہ چوری ڈکیتی، قرض لے کر انکار اور ناحق جھوٹا دعویٰ یا غصب یا رشوت وغیرہ لے کر تجاوز کیا جائے۔

۱۲۔ اسلام عقائد وعبادات اور اخلاق ومعاملات کا مجموعہ ہے۔ وہ ایک اچھے معاشرے کی تشکیل وتعمیر کی خاطر ہر اچھے اخلاق کو پروان چڑھاتا اور ہر بداخلاقی سے جنگ کرتا ہے۔

حدیث (۳۶)

(تنگدست وپریشان حال کی مدد، عیب پوشی، طلب علم اور عمل کی فضیلت)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَة -رضي الله عنه- عَنِ النَّبِيّ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمْ السَّكِيْنَةُ، وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمْ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمْ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ». رواه مسلم بهذا اللفظ.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے کسی مومن کی دنیا کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کردی اللہ تعالیٰ بروز قیامت اس کی پریشانیوں میں سے ایک پریشانی دور کردے گا۔ اور جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ اس پر دنیا وآخرت میں آسانی کرے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی عیب پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔ اور جو علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کردیتا ہے۔ اور جب کوئی قوم اللہ کے کسی ایک گھر میں اکٹھا ہوتی ہے، اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتی ہے، اور اسے آپس میں پڑھتی پڑھاتی ہے، تو ان پر سکینت کا نزول ہوتا ہے، ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، اور فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں، اور اللہ اپنے پاس موجود فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ جس کا عمل

اسے پیچھے کر دے اس کا نسب اسے آگے نہیں لے جاسکتا"۔ (اسے ان الفاظ کے ساتھ امام مسلم نے روایت کیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث بہت سارے علوم و قواعد اور اصول و آداب پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلامی اخوت کے تقاضوں کی ادائیگی، علم حاصل کرنے اور قرآن مجید کے فہم و تلاوت، اس پر عمل اور اس کی نشر واشاعت پر ابھارا گیا ہے۔

۲۔ مشکلات میں اپنے کسی مومن بھائی کے کام آنے کی بڑی فضیلت ہے، خواہ وہ مالی اور معاشی مشکلات ہوں، یا ذہنی اور نفسیاتی الجھنیں، سماجی پریشانیاں ہوں یا کچھ اور، جو ان سختیوں کو ختم کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

۳۔ حدیث میں تنگدست پر آسانی کرنے کی ترغیب ہے۔ اس کی کئی شکلیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ قرضدار کو فراخی آنے تک مہلت دے، دوسری صورت یہ ہے کہ قرض معاف کر دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مزید مالی تعاون کرے، نیز صبر و شکر کے اجر و ثواب کی خوشخبری سنا کر اسے تسلی دے۔

۴۔ حدیث سے مسلمانوں کی عیب پوشی کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ وہ عیوب خواہ شکل وصورت اور جسمانی ساخت سے متعلق ہوں، یا اقوال وافعال اور اخلاق و کردار سے متعلق ہوں۔ ابوداود کی ایک حدیث میں ہے: "اے لوگو! جو زبانی طور پر ایمان لائے ہو اور ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور ان کے عیوب کی تلاش میں نہ رہو، کیونکہ جو ان کے عیوب کی تلاش میں رہے گا اللہ اس کے عیوب کی تلاش میں رہے گا، اور اللہ جس کے عیوب تلاش کرے گا اس کی فضیحت اس کے گھر میں ہو جائے گی"۔

واضح رہے کہ جو شخص علانیہ طور پر فسق وفجور کا مرتکب ہو اس کی غیبت حرام نہیں، بلکہ

لوگوں سے اس کی حالت بیان کر دیناضروری ہے تاکہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

۵۔ بدلہ عمل کے جنس سے ملتاہے،یعنی جس انداز کا عمل ہو گا اس کی جزا بھی آخرت میں اسی طرح کی ملے گی؛ جیسے آسانی کرنے پر آسانی اور عیب پوشی پر عیب پوشی وغیرہ۔ اس ضمن میں دیگر نصوص بھی ملتے ہیں جیسے: ''اللہ ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں''۔

۶۔ حدیث میں ایک مسلمان کا تعاون کرنے، اس کی ضرورت پوری کرنے، اوراس کی حاجت کی تکمیل کے لئے سعی وکوشش کی ترغیب دی گئی ہے۔ کسی ایسے شخص کے پاس سفارش کر دینا بھی تعاون کی ایک صورت ہے جہاں سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔

۷۔ علم طلب کرنے والے کے لئے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ یہ علم طلب کرنے کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے، نیز اس کے سوا اور بھی طلب علم کے بہت سے فضائل کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔

۸۔ مسجد میں اکٹھاہو کر قرآن مجید کی تلاوت اور تعلیم نیز درس وتدریس ایک فضیلت والا عمل ہے۔ بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد کے ساتھ خاص ہے، لیکن صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں مسجد کا ذکر نہیں ہے،لہذا وہ اپنے عموم کی بناپر تمام مقامات کو شامل ہے۔

۹۔ اللہ کے نزدیک بندوں کا مقام ان کے عمل وکردار اور تقویٰ کے ذریعہ متعین ہوتا ہے، ان کے حسب ونسب سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجَٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ﴾ [الاحقاف:۱۹]''اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجے ملیں گے''۔

نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے کو نبی کی رشتہ داری کام نہ آسکی اور طوفان میں غرقاب ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے والد ایمان نہ لانے کی بنا پر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب شرک پر قائم رہنے کی وجہ سے داخل جہنم ہوں گے۔

۱۰۔ اپنے حسب ونسب اور رنگ ونسل پر غرور ایک فریب ہے جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔ دل کی صفائی اور عمل کی اصلاح ہی آخرت میں کام آنے والی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾ [الحجرات:١٣] ”اللہ کے نزدیک تم سب میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے“۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ تمھارے جسموں اور تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے“۔(مسلم)

حدیث (۳۷)

(اللہ کا فضل وکرم اور اس کی وُسعت ورحمت)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - عَنِ النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهِ - تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ - أَنَّهُ قَالَ: «**إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيْئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ؛ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَىٰ سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلَىٰ أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ. وَإِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ فِي صَحِيْحَيهِمَا بِهٰذِهِ الْحُرُوْفِ.

ترجمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ دیا پھر اس کی وضاحت فرمادی۔ اگر ایک شخص نے کسی نیکی کا اردہ کیا اور اسے نہ کرسکا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اسے ایک مکمل نیکی لکھتا ہے، اور اگر اس کا ارادہ کیا اور پھر اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس دس نیکیوں سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ کئی گنا تک لکھتا ہے، اور اگر کسی برائی کا اردہ کیا اور پھر اسے نہیں کیا تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے پاس ایک مکمل نیکی لکھتا ہے، اور اگر اس کا ارادہ کیا اور پھر اس پر عمل کیا تو اسے اللہ تعالیٰ ایک برائی لکھتا ہے“۔

(اسے بخاری ومسلم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ یہ عظیم حدیث اللہ تعالیٰ کے وسیع لطف وکرم اور فضل واحسان پر دلالت کرتی ہے۔

۲۔ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اسے نہ کرسکے تو اللہ تعالیٰ ایک مکمل نیکی لکھتا ہے۔

یہاں ارادہ سے مراد عزم اور پختہ ارادہ ہے۔ نیکی کے ارادہ پر ہی اجر مل جانے کے دلائل کتاب وسنت میں بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن يَخْرُجْ مِنۢ بَيْتِهِۦ مُهَاجِرًا إِلَى ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ ثُمَّ يُدْرِكْهُ ٱلْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِ﴾[النساء:١٠٠] ”اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکل کھڑا ہو پھر اسے موت نے آپکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا“۔

صحیح بخاری میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب بندہ بیمار یا مسافر ہوتا ہے تو اس کے لئے وہی اجر وثواب لکھا جاتا ہے جو وہ صحت اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا“۔

مومن بندوں پر یہ اللہ کا عظیم احسان ہے کہ اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے ان کے یومیہ عبادات واعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ ان کا پورا ثواب لکھتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر رکاوٹ نہ ہوتی تو بندہ ضرور اپنا عمل جاری رکھتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انھیں ان کی نیت کے مطابق اعمال کا بھی اجر دیتا ہے، اور بیماری کا الگ سے مخصوص ثواب بھی دیتا ہے۔

سنن ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دنیا چار قسم کے لوگوں کے لئے ہے۔ ایک وہ ہے جسے اللہ نے علم سے نوازا ہے مگر مال سے محروم رکھا ہے، اس کی سچی نیت یہ ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں (دولت مند) شخص کی طرح عمل کرتا، چنانچہ وہ اپنی نیت کے مطابق ثواب پائے گا اور دونوں کا ثواب برابر ہو گا“۔

٣۔ جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اسے کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب لکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾[الانعام:١٦٠] ”جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے“۔

دس گنا پر ثواب کی زیادتی حسن عمل، اخلاص نیت، اتباع سنت اور نیکی کے محل کی موزونیت کے اعتبار

سے ہو گی۔

۴۔ جو شخص برائی کا ارادہ کرنے کے بعد اسے نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک کامل نیکی لکھتا ہے بشرطیکہ اس نے وہ گناہ اللہ کے خوف سے چھوڑا ہو، اگر مخلوق کے ڈر سے یا اسباب ووسائل کے مہیانہ ہونے کی بناپر مجبوراً چھوڑا ہے تو اسے یہ فضیلت حاصل نہ ہو گی۔

۵۔ جس شخص نے کسی برائی کا اردہ کیا اور اسے کر ڈالا تو اس پر ایک ہی گناہ لکھا جائے گا اور کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزَىٰٓ إِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ﴾[الانعام:١٦٠] ”اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا“۔

لیکن بسا اوقات وقت یا مقام کے شرف وعظمت کی بناپر برائیوں کا گناہ بڑھ جاتا ہے؛ جیسے کوئی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ کے حدود حرم میں شر وفساد کا ارادہ کرے تو ارادہ ہی پر گنہگار اور مستحق سزا ہو جائے گا۔

حدیث (۳۸)

(فرائض ونوافل کی پابندی اللہ کی محبت و قرب کا ذریعہ ہیں)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَىٰ قَالَ: مَنْ عَادَىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ. وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ. وَلَايَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا. وَلَئِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهُ». رواه البخاري.

ترجمہ:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا ہے۔ میرا بندہ جن چیزوں سے مجھ سے قریب ہوتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض قرار دی ہیں۔ پھر نوافل کے ذریعے میرا بندہ مجھ سے برابر قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں، اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو ضرور اسے اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں“۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض بندے اللہ کے ولی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں

بھی اس کا ذکر موجود ہے: ﴿أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ﴾[یونس: ٦٢ - ٦٣]"یادر کھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (برائیوں سے) پرہیز رکھتے ہیں"۔ معلوم ہوا کہ ہر مومن و متقی بندہ اللہ کا ولی ہے، لیکن چونکہ لوگ ایمان و تقویٰ میں متفاوت ہوتے ہیں لہٰذا درجات ولایت میں بھی تفاوت ہو گا۔

۲۔ اللہ کے نزدیک اولیاء کی بڑی عزت ہے، اسی لئے ان سے دشمنی رکھنے والوں سے اللہ نے جنگ کا اعلان کیا ہے۔

۳۔ حدیث میں ولایت حاصل کرنے کے اسباب بتائے گئے ہیں۔ فرائض کی ادائیگی ان میں سب سے اہم سبب ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں صوم وصلاۃ اور حج وزکاۃ کی پابندی، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، اور اللہ اور اس کے بندوں کے تمام واجبی حقوق داخل ہیں۔ ان تمام فرائض کی ادائیگی بلا کسی کمی کے اللہ کے اولیاء کی ایک صفت ہے۔ عوام اپنی جہالت کی بنا پر بہت سے ایسے لوگوں کو ولی سمجھ لیتے ہیں جو شریعت سے بے پرواور صوم وصلاۃ سے لاتعلق ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کا ولی ہونا تو کجا ایک عاقل مسلمان ہونا بھی بعید ہے۔ شریعت کی پابندی اللہ کے ولی کی سب سے اہم نشانی ہے۔

۴۔ فرائض کی ادائیگی کے بعد ولایت کا ایک سبب نوافل کے ذریعہ اللہ کی قربت بھی ہے۔ جس قسم کی عبادت فرض ہے اسی جنس کے نوافل بھی شریعت میں پائے جاتے ہیں۔ یہ نوافل فرائض کی تکمیل کا باعث اور اللہ کی محبت و قربت کا ذریعہ ہیں۔

۵۔ نوافل کی بہ نسبت فرائض اللہ کو زیادہ محبوب اور زیادہ اجر وثواب کا باعث ہیں نیز وہ نوافل سے مقدم ہیں۔ فرض صلاۃ نفلی صلاۃ سے اور فرض صوم نفلی صوم سے زیادہ اہم اور اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔

٦۔ اللہ محبت بھی کرتا ہے اور اس سے محبت کی بھی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ﴾[المائدۃ:۵۴]"اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی"۔ کچھ بدعتی فرقے محبت الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اہل سنت وجماعت اور سلف کا مسلک یہ ہے کہ اللہ کے لئے اللہ کے شایان شان محبت ثابت ہے، جو مخلوق کی محبت کی طرح نہیں، بلکہ جس طرح اللہ کی ذات بے مثل ہے اسی طرح اس کی محبت نیز دیگر تمام صفات بھی بے مثل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ﴾[الشوری:۱۱]"اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے"۔

٧۔ اللہ جس سے محبت کرتا ہے اور جو اس کا ولی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کان وآنکھ اور ہاتھ وپیر کو اپنی مرضی کے مطابق ٹھیک راستے پر چلاتا ہے۔ وہ وہی سنتے ہیں جس میں اللہ کی رضا ہو، اور وہی دیکھتے ہیں جس میں اللہ کی رضا ہو، اور ہاتھ وپیر سے بھی وہی کام انجام دیتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی کے مطابق ہو۔ وہ پابند شریعت ہوتے ہیں کیونکہ شریعت کی پابندی ہی سے اللہ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔

حدیث کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بندے کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق سے الگ تھلگ اور جدا ہے۔ وہ سب سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔

٨۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی حرکات وسکنات کی حفاظت کرتا ہے، انھیں راہ راست پہ رکھتا ہے، نیز ان کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ وہ مانگتے ہیں تو انھیں دیتا ہے، وہ اس کی پناہ چاہتے ہیں تو انھیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہے۔

حدیث (۳۹)

(خطا، نسیان، اور جبر واکراہ کی معافی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - أَنَّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ: «**إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ**». حديث حسن رواه ابن ماجه والبيهقي وغيرهما.

ترجمہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے لئے میری امت سے غلطی، بھول چوک اور جس پر انھیں مجبور کر دیا جائے معاف کر دیا ہے"۔ (حدیث حسن ہے، ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ یہ حدیث بڑی نفع بخش اور اہم ہے، بلکہ اسے نصف شریعت کہا گیا ہے، کیونکہ انسان کا ہر چھوٹا بڑا عمل یا تو اس کے قصد وارادہ اور اختیار سے صادر ہو گا، یا قصد واختیار کے بغیر، یعنی غلطی، بھول چوک اور زور زبر دستی سے ہو گا، اور یہ دوسری قسم معاف ہے، جبکہ پہلی قسم قابل مواخذہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث نصف شریعت ہے۔

۲۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، چنانچہ اس نے بندوں سے سرزد ہونے والی خطاؤں، بھول چوک اور بوجہ مجبوری کی جانے والی چیزوں کو معاف کر دیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ [البقرة:٢٨٦] "اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا"۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا ہے۔ نیز ارشاد ہے: ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ﴾

[الاحزاب:۵]"تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم ارادہ دل سے کرو"۔ نیز ارشاد ہے:﴿ مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ مُطۡمَئِنُّۢ بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلۡكُفۡرِ صَدۡرٗا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٞ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴾[النحل:۱۰۶] "جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر بر قرار ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

۳۔ غلطی اور بھول چوک کی پکڑ نہیں ہے، لیکن اہل علم نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ "اگر کوئی شخص بھول یا نادانی یا غلطی سے ایسا کام چھوڑدے جس کا حکم دیا گیا ہے تو اس کام کے دوبارہ کئے بغیر اس کی ذمہ داری ختم نہیں ہو گی۔ لیکن اگر غلطی یا بھول یا نادانی کی بنا پر کوئی ایسا کام کر ڈالے جس سے روکا گیا ہے تو اس کی عبادت مکمل ہو جائے گی، اور اسے دہرانا نہیں پڑے گا"۔ مثال کے طور پر اگر کسی نے بھول کر طہارت کے بغیر صلاۃ ادا کرلی تو اس پر گناہ نہ ہو گا، لیکن اسے صلاۃ دہرانی پڑے گی، کیونکہ طہارت ایسا عمل ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے نادانی سے اس حالت میں صلاۃ پڑھ لی کہ اس کے کپڑے پر گندگی لگی ہوئی تھی، تو اس کی صلاۃ درست ہو گی، اور دہرانے کی ضرورت نہیں۔

۴۔ زبردستی کرائے گئے کسی کام پر پکڑ نہیں ہے سوائے ایک حالت کے، اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی شخص کو کسی بے گناہ کے قتل پر مجبور کرے ورنہ وہ خود قتل کر دیا جائے گا، ایسی صورت میں اپنی جان بچا کر دوسرے بے گناہ کی جان لینا درست نہ ہو گا، لیکن اگر کسی نے ایسا کر دیا تو جس نے زبردستی کی ہے اور جس سے زبردستی کی گئی ہے دونوں جرم میں اور قصاص میں شریک مانے جائیں گے۔

حدیث (۴۰)

(دنیا کی بے ثباتی)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - بِمَنْكِبَيَّ فَقَالَ: «**كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ**». وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ: «إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ. وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ». رواه البخاري.

ترجمہ:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھے کو پکڑ کر ارشاد فرمایا: "دنیا میں اس طرح رہو گویا پردیسی ہو یا راہ پار کرنے والے مسافر ہو"۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: "جب شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو، جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو، اپنی صحت میں اپنی بیماری کے لئے کچھ کر لو، اور اپنی زندگی میں اپنی موت کے لئے کچھ کر لو"۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے)۔

فوائد واحکام:

ا۔ دنیا مومن کے دل لگانے کی جگہ نہیں کہ سکون سے وہیں کا ہو کے رہ جائے، بلکہ دنیا تو منزل سے پہلے وہ مختصر پڑاؤ ہے جہاں مسافر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتا ہے، اور آگے جانے کے لئے ہمہ تن تیار رہتا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا هَٰذِهِ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا مَتَٰعٌ وَإِنَّ ٱلْءَاخِرَةَ هِىَ دَارُ ٱلْقَرَارِ﴾ [غافر: ۳۹] "اے میری قوم! یہ حیات دنیا متاع فانی ہے، یقین مانو کہ قرار اور ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہی ہے"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا: "مجھے دنیا سے کیا مطلب، میری مثال تو اس سوار کی ہے جس نے کسی درخت کے سایہ میں قیلولہ کیا، اور پھر اسے چھوڑ کر چلتا بنا"۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

۲۔ تعلیم دینے کا ایک عمدہ طریقہ یہ ہے کہ معلم اپنی بات کہنے سے پہلے طالب علم کی توجہ اپنی طرف موڑلے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھ کے انھیں اپنی طرف متوجہ کرکے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

۳۔ اپنے نفس کا محاسبہ انتہائی ضروری ہے کہ اس سے اللہ کے حقوق میں کتنی کوتاہی ہوئی ہے اور بندوں کے حقوق میں کتنی ؟ کیونکہ اسی سے حالات درست ہوسکتے ہیں، اور دنیا کی طرف میلان ختم کرکے عبادت واطاعت میں لگا جاسکتا ہے۔

۴۔ موت سے قبل مہلت حیات کو اور بیماری سے قبل تندرستی کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ جب تک آدمی تندرست ہوتا ہے کشادہ دلی اور اطمینان خاطر کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے، لیکن بیماری کی حالت میں عبادات میں گرانی محسوس ہونے لگتی ہے، لیکن یاد رہے کہ اگر وہ ان عبادات کا صحت کی حالت میں عادی تھا تو بیماری کی حالت میں اس کا وہی اجر لکھا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جب بندہ بیمار پڑتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لئے وہی عمل لکھا جاتا ہے جسے وہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا"۔ (بخاری)

ایسے ہی موت کے ذریعہ انسان کے عمل کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، اور جب انسان اور عمل کے درمیان موت رکاوٹ بن کر کھڑی ہوجاتی ہے تو انسان دنیا کی طرف واپس آنے کی تمنا کرنے لگتا ہے، تاکہ اسے عمل کا دوبارہ موقع مل سکے، لیکن اب حسرت وندامت کے سوا چارہ نہیں۔

ارشاد باری ہے: ﴿ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ٱرْجِعُونِ ‎ لَعَلِّىٓ أَعْمَلُ صَٰلِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّآ ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۖ وَمِن وَرَآئِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴾[المؤمنون:۹۹ – ۱۰۰] "یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو کہتا ہے: اے میرے پروردگار! مجھے واپس لوٹا دے کہ اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جاکر نیک اعمال کرلوں، ہر گز ایسا نہیں ہوگا، یہ تو صرف ایک قول ہے جس کا یہ قائل ہے، ان کے پیچھے تو ان کے دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ایک حجاب ہے"۔

حدیث (۴۱)

(رسول ﷺ کی اطاعت ایمان کی نشانی ہے)

عَنْ أَبِيْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ بِنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم -: «**لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ**». حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ رَوَيْنَاهُ فِي كِتَابِ الحُجَّةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ.

ترجمہ:

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں“۔(حدیث حسن صحیح ہے[ابو الفتح نصر بن ابراہیم مقدسی کی] کتاب الحجّہ میں بہ سند صحیح ہمیں اس کی روایت ملی ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ انسان اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے، آپ کے دیئے ہوئے حکموں سے محبت کرے، اور آپ کی روکی ہوئی چیزوں سے نفرت کرے۔

جن لوگوں کی محبت اور خواہش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے تابع نہیں ہے وہ کئی طرح کے لوگ ہیں:

- ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو پوری طرح آپ کی شریعت سے بیزار ہیں ایسے لوگ کافر ہیں۔
- دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنے دل سے بیزار ہیں لیکن زبان واعضاء سے اقرار کرتے ہیں ایسے لوگ منافق ہیں۔
- تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو کبھی اپنی خواہش پہ چلتے ہیں اور کبھی شریعت پہ، حکموں کے

اتباع میں کچھ کوتاہی کرتے ہیں اور بعض حرام کام کے مرتکب ہوتے ہیں، ایسے لوگ مومن فاسق ہیں، اپنے ایمان واتباع کی بنیاد پر مومن ہیں اور اپنی مخالفت ومعصیت کی بناپر فاسق ہیں۔

۲۔ حدیث میں خواہشات نفس کی مذمت وارد ہوئی ہے، خصوصاً جب وہ شریعت کے خلاف ہوں، اور واقعہ یہ ہے کہ تمام بدعات وخرافات اور تمام نافرمانیوں کی جڑ یہی ہے کہ لوگ خواہشات نفس کو کتاب وسنت پر مقدم رکھتے ہیں۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ نے خواہشات کے موضوع پر خوب لکھا ہے، ہم نے ان کی ایک تحریر کا ترجمہ بعنوان "نفسانی خواہشات سے نجات کے ذرائع" کیا ہے، اور وہ احساء اسلامک سینٹر ہفوف سے طبع ہو چکا ہے، خواہشات کے موضوع پر اس کا مطالعہ کافی مفید ہوگا۔)

حدیث (۴۲)

(توبہ واستغفار کی فضیلت اور اللہ کی مغفرت ورحمت کی وسعت)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ - رضي الله تعالى عنه - قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ – صلى الله عليه وسلم - يَقُولُ: «قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: يَا ابْنَ آدَمَ، إِنَّكَ مَا دَعَوتَنِيْ وَرَجَوتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلَىٰ مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا أُبَالِيْ، يَا ابْنَ آدَمَ لَو بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ، يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَو أَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغفِرَةً». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

ترجمہ:

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے: اے آدم کے بیٹے! تو جب بھی مجھ سے دعا کرتا ہے اور مجھ سے امید لگاتا ہے تو تیرے ہر طرح کے عمل کے باوجود میں تجھے بخش دیتا ہوں، اور میں کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں کو پہنچ جائیں، پھر تو مجھ سے مغفرت طلب کرے، تو میں تجھے بخش دوں گا، اور میں کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تو میرے پاس زمین بھر غلطیاں لے کے آیا، پھر مجھ سے تو نے اس حالت میں ملاقات کی کہ میرے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرتا تھا، تو میں تیرے پاس زمین بھر مغفرت لے کے آؤں گا“۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح قرار دیا ہے)۔

فوائد واحکام:

۱۔ یہ اس کتاب کی آخری حدیث ہے، اور نہایت اہم اور بنیادی باتوں پر مشتمل ہے۔ اسے حسن خاتمہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ اس حدیث میں مغفرت کے تین اسباب ذکر کئے گئے ہیں:

۱۔ دعاوامید

۲۔ استغفار

۳۔ شرک سے اجتناب

أ۔ دعا اور امید: اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا ہے اور قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ٱدۡعُونِيٓ أَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ ﴾[غافر: ٦٠]''اور تمھارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعاؤں کو قبول کروں گا''۔

واضح رہے کہ دعا کی قبولیت کی کئی صورتیں ہیں: یا تو بعینہ مانگی ہوئی چیز مل جاتی ہے، یا دعا کے مطابق کوئی مصیبت ٹل جاتی ہے، یا دعا کا اجر وثواب آخرت کے لئے ذخیرہ کر دیا جاتا ہے۔

ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کی رحمتوں کا طالب اور اس کی مغفرت کی امید رکھتا ہے، کبھی مایوسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتا، کیونکہ اسے معلوم ہے کہ مایوسی اور ناامیدی کفر ہے، اور دعا کی قبولیت میں رکاوٹ ہے۔

ب۔ استغفار: اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اللہ سے مغفرت طلب کرے۔ مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عیب کو چھپادے اور اسے معاف کردے۔ دنیا میں لوگوں کو اس کے گناہ کی اطلاع نہ ہونے پائے، تاکہ کوئی فضیحت نہ ہو، اور آخرت میں بھی معاف ہو جائے۔ حدیث میں ہے کہ: ''بروز قیامت اللہ تعالیٰ مومن بندے کے ساتھ خلوت میں ہو کر اس کے گناہوں کا اعتراف کرائے گا، پھر فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈال رکھا تھا، اور آج میں انھیں تیرے لئے بخش دیتا ہوں''۔ (بخاری ومسلم)

اسی لئے اپنے گناہوں کا اعلان کرتے پھرنا یا صرف کسی ایک شخص کو ہی اس کی اطلاع دینا بہت سنگین غلطی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میری تمام امت معافی کے قابل ہے،

سوائے علانیہ گناہ کرنے والے کے، اور علانیہ گناہ کرنا یہ بھی ہے کہ آدمی رات کو کوئی کام کرے، صبح ہونے تک اللہ نے اس کے کرتوت پر پردہ ڈال رکھا تھا، پھر وہ خود دوسروں سے کہنے لگے: اے فلاں! میں نے کل رات ایسے ایسے کیا، حالانکہ اس کے رب نے اس کے عمل پر پردہ ڈال رکھا تھا، اس نے خود اللہ کا پردہ چاک کر دیا"۔(بخاری و مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت توبہ واستغفار کیا کرتے تھے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "اللہ کی قسم! میں ایک دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں"۔(بخاری)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلمہ کہتے ہوئے سوبار شمار کرتے تھے: «رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ» (أبوداود، ترمذی) "اے میرے رب مجھے بخش دے، اور میری توبہ قبول کر، یقیناً تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم وکرم والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی کئی آیات میں استغفار کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِينَ وَٱلۡمُؤۡمِنَٰتِ ﴾[محمد:١٩] "اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور مومن مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے"۔

استغفار ایک تو مطلق ہے کہ بندہ ہر وقت اور ہر حال میں استغفار کرتا رہے، دوسرا مقید ہے جو بعض اوقات ومقامات کے ساتھ مخصوص ہے، جن کا ذکر ہم آئندہ سطور میں کر رہے ہیں:

(١) فرض صلاتوں کے بعد۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تھے تو تین بار استغفر اللہ کہتے تھے"۔(مسلم)

(٢) گناہ کے بعد۔ ارشاد باری ہے: ﴿ وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُواْ فَٰحِشَةً أَوۡ ظَلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ ذَكَرُواْ ٱللَّهَ فَٱسۡتَغۡفَرُواْ لِذُنُوبِهِمۡ وَمَن يَغۡفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾

[آل عمران:۱۳۵] ”جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے، یا کوئی گناہ کر بیٹھیں، تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، فی الواقع اللہ تعالی کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟“۔

علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو اس سے قسم لیتا ہوں، اگر اس نے مجھ سے قسم کھائی تو اس کی تصدیق کرتا ہوں، مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور آپ نے سچ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو مسلمان کوئی گناہ کرے، پھر وضو کرے، اور اچھی طرح وضو کرے، پھر دو رکعتیں صلاۃ پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے“۔ (یہ روایت سنن میں بہ سند جیّد مروی ہے)

(۳) بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تھے تو غفرانک پڑھتے تھے۔ (ابو داود، ترمذی)

(۴) آخری تشہد کے بعد۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان کو کوئی ایسی دعا سکھلا دیں جسے وہ صلاۃ کے اندر پڑھا کریں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعا سکھلائی: «اَللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيْرًا، وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ، وَارْحَمْنِي، إِنَّك أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ»۔ (متفق علیہ) ”اے اللہ! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے، اور صرف تو ہی گناہوں کو بخشنے والا ہے، تو مجھ کو اپنے پاس سے خصوصی مغفرت اور بخشش عطا فرما، اور مجھ پر رحم کر، یقیناً تو بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے“۔

علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث کے اندر اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ کے آخر میں تشہد اور سلام پھیرنے کے درمیان یہ کہا کرتے تھے: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ

مِنِّيْ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ»۔ ”اے اللہ! مجھ کو بخش دے، جو کچھ میں نے پہلے کیا ہے اور جو کچھ میں نے بعد میں کیا ہے، اور جو کچھ میں نے چھپ کر کیا ہے اور جو کچھ میں نے علانیہ کیا ہے، اور جو کچھ میں نے حد سے تجاوز کیا ہے اور جو کچھ تو میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تو ہی آگے کرنے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، اور تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں“۔(صحیح مسلم)

(۵)رکوع اور سجدہ کے اندر۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ کے اندر یہ دعا کثرت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے: «سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي»۔ ”اے اللہ، اے ہمارے رب! میں تیری تسبیح اور تیری حمد بیان کرتا ہوں، اے اللہ ! تو مجھ کو بخش دے“۔

(٦) دونوں سجدوں کے درمیان کی بیٹھک میں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو پڑھتے: «رَبِّ اغْفِرْلِيْ، وَارْحَمْنِيْ، وَاجْبُرْنِيْ، وَارْفَعْنِيْ، وَارْزُقْنِيْ، وَاهْدِنِيْ، وَعَافِنِي». (ابوداود) ”اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما، اور مجھے غنی کر دے، اور مجھے بلندی نصیب کر، اور مجھے رزق سے نواز ، اور مجھے ہدایت دے، اور مجھے عافیت عطا فرما“۔

(۷) بوقت سحر۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے مومن بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَٱلْمُسْتَغْفِرِينَ بِٱلْأَسْحَارِ ﴾[آل عمران:١٧] ”اور وہ رات کے پچھلے پہر استغفار کرتے ہیں“۔ نیز ارشاد ہے: ﴿ وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾ [الذاریات:١٨] ”اور وہ وقت سحر استغفار کیا کرتے تھے“۔

حدیث میں بالکل صحیح سند سے یہ بات ثابت ہے کہ ”اللہ تعالیٰ رات کے آخری تیسرے پہر آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، اور کہتا ہے: کیا ہے کوئی سائل جسے میں عطا کروں؟ کیا ہے کوئی دعا

کرنے والا جس کی دعا میں قبول کروں؟ کیا ہے کوئی استغفار کرنے والا جس کی میں مغفرت کروں؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے"۔ (متفق علیہ)

استغفار کے لئے سب سے شاندار الفاظ وہ ہیں جنھیں حدیث میں سید الاستغفار کا نام دیا گیا ہے، اور جس کے الفاظ اس طرح ہیں: «اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَىٰ عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِيْ، فَاغْفِرْ لِيْ، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ» "اے اللہ تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے، میں تیرا بندہ ہوں، میں تیرے عہد اور وعدے پر (قائم) ہوں جس قدر طاقت رکھتا ہوں، میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے آپ پر تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں، تجھ سے اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہوں، پس مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا"۔

سید الاستغفار کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "اگر کوئی بندہ یقین کے ساتھ اسے صبح میں پڑھ لے اور شام ہونے سے پہلے اسی دن اس کی موت ہو جائے تو جنت میں داخل ہو گا، اور اگر یقین کے ساتھ یہ دعا رات میں پڑھ لے اور صبح ہونے سے پہلے مر جائے تو جنت میں داخل ہو گا"۔ (بخاری)

واضح رہے کہ زبانی طور پر استغفار کے کلمات دہراتے رہنا اور گناہ پر اصرار کئے جانا قطعاً سود مند نہیں، اسے صرف ایک دعا کی حیثیت حاصل ہو گی، اللہ چاہے تو قبول کرے ورنہ رد کر دے۔ فائدہ مند استغفار وہ ہے جس میں دل وزبان کی موافقت ہو، اپنے کئے پر شرمندگی ہو، اور دوبارہ گناہ کی طرف نہ پلٹنے کا پختہ عزم ہو۔

ج۔ شرک سے اجتناب: حدیث میں شرک سے اجتناب کو مغفرت کا تیسرا سبب قرار دیا گیا ہے۔ درحقیقت شرک سے اجتناب اور توحید کا اختیار مغفرت کی اساس اور اس کا سب سے عظیم سبب ہے۔ جس کے پاس توحید نہیں اس کی مغفرت نہیں۔ جس کے پاس توحید ہے اس کے لئے جہنم

سے نجات اور جنت میں داخلہ یقینی ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ﴾ [النساء:۴۸] ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے''۔

جو شخص کلمۂ توحید کا پورا پابند تھا، اور جس نے اپنے دل سے غیر اللہ کی محبت و تعظیم، ہیبت وجلال، خوف و خشیت، توکل واعتماد، اور امید و بیم نکال باہر کی، اس کے گناہ جل اٹھیں گے، خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نیکیوں میں بدل جائیں۔

شرک ایسا منحوس اور خطرناک عمل ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ شرک اس روئے زمین پر کئے جانے والے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک کرنے والے انسان پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ شرک کیا ہے؟ حدیث (۲۹) میں بیان کیا جا چکا ہے۔ شرک کی مذمت میں بے شمار آیات واحادیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی توحید پر ثابت قدم رکھے، اور شرک سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين
وصلى الله على نبيّنا محمد وبارك وسلّم.

فہرستِ موضوعات

رقم	عنوان	صفحہ
1	عرضِ ناشر	1
2	پیشِ لفظ از مترجم	3
3	مقدّمہ امام نوویؒ	6
4	حدیث نمبر:۱(اصلاحِ نیّت کی ضرورت واہمیت)	9
5	حدیث نمبر:۲(مراتبِ دین: اسلام، ایمان، احسان)	12
6	حدیث نمبر:۳(ارکانِ اسلام)	18
7	حدیث نمبر:۴(انسانی تخلیق کے مراحل اور انجام آخرت)	21
8	حدیث نمبر:۵(بدعت کی شناعت وقباحت)	25
9	حدیث نمبر:۶(حلال وحرام اور اصلاحِ قلب)	27
10	حدیث نمبر:۷(دین نصیحت وخیر خواہی کا نام ہے)	30
11	حدیث نمبر:۸(مسلمان کے جان ومال کا تحفّظ)	34
12	حدیث نمبر:۹(اطاعت رسول ﷺ کی فرضیت اور کثرتِ سوال کی ممانعت)	37
13	حدیث نمبر:۱۰(حلال کمائی کی اہمیّت اور حرام کمائی کی مذمّت)	40
14	حدیث نمبر:۱۱(شبہات سے اجتناب)	43

15	حدیث نمبر:۱۲(لایعنی وبے جاامور سے اجتناب	44
16	حدیث نمبر:۱۳(اسلامی اخوّت وبھائی چارہ)	46
17	حدیث نمبر:۱۴(خونِ مسلم کی حُرمت)	48
18	حدیث نمبر:۱۵(اسلامی آداب معاشرت)	52
19	حدیث نمبر:۱۶(غصّہ سے ممانعت)	55
20	حدیث نمبر:۱۷(تمام امور میں احسان وبھلائی کا حکم)	58
21	حدیث نمبر:۱۸(تقویٰ اور حسن اخلاق)	60
22	حدیث نمبر:۱۹(تقدیر اور توکّل علی اللہ)	64
23	حدیث نمبر:۲۰(شرم وحیا ایمان کا جز ہے)	70
24	حدیث نمبر:۲۱(دین وایمان پر استقامت)	72
25	حدیث نمبر:۲۲(فرائض اور حلال وحرام کا التزام جنت میں جانے کا سبب)	74
26	حدیث نمبر:۲۳(وضو، ذکر، نماز، صدقہ، صبر اور تلاوتِ قرآن کے فضائل)	76
27	حدیث نمبر:۲۴(ظلم کی حرمت اور توحید کی حقیقت)	80
28	حدیث نمبر:۲۵(صدقہ کا مفہوم اور اس کی مختلف صورتیں)	86
29	حدیث نمبر:۲۶(ہر نیکی صدقہ ہے)	90
30	حدیث نمبر:۲۷(نیکی اور گناہ کی علامت)	93
31	حدیث نمبر:۲۸(سنّت کی اتباع ضروری ہے)	96

32	حدیث نمبر:۲۹(خیر وبھلائی کے دروازے)	101
33	حدیث نمبر:۳۰(حدودِ الٰہی کی پابندی والتزام ضروری ہے)	108
34	حدیث نمبر:۳۱(زہد کی حقیقت وفضیلت)	111
35	حدیث نمبر:۳۲ (ضرر رسانی کی حرمت وممانعت)	114
36	حدیث نمبر:۳۳(دعویٰ کے اثبات کا شرعی طریقہ)	116
37	حدیث نمبر:۳۴(منکرو ناپسندیدہ امور کو روکنے کا شرعی طریقہ)	118
38	حدیث نمبر:۳۵(اسلامی معاشرت کے اصول وآداب)	121
39	حدیث نمبر:۳۶(تنگدست وپریشان حال کی مدد، عیب پوشی، طلب علم اور عمل کی فضیلت)	127
40	حدیث نمبر:۳۷(اللہ کا فضل وکرم اور اس کی وسعت ورحمت)	131
41	حدیث نمبر:۳۸(فرائض ونوافل کی پابندی اللہ کی محبت وقرب کا ذریعہ ہیں)	134
42	حدیث نمبر:۳۹(خطا،نسیان،اور جبر واکراہ کی معافی)	137
43	حدیث نمبر:۴۰(دنیا کی بے ثباتی)	139
44	حدیث نمبر:۴۱(رسول ﷺ کی اطاعت ایمان کی نشانی ہے)	141
45	حدیث نمبر:۴۲(توبہ واستغفار کی فضیلت اور اللہ کی مغفرت ورحمت کی وسعت)	143
46	فہرستِ موضوعات	150